يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (القرآن)

دعوتی، اصلاحی فکری اور تعلیمی مجلہ

ازہار تبلیغ القرآن پشاور

جولائی/اگست 2017ء ، شوال/ذی القعدہ ۱۴۳۸ھ

نگران
مولانا مفتی محمد ایاز دُرانی

مدیر
مولانا سید کفایت بخاری

مدیر منتظم
ڈاکٹر مولانا حشمت علی صافی

یکے از مطبوعات جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

فہرست مضامین

تعلیم القرآن
ضیاء البیان فی تفسیر القرآن ..... عطاء اللہ بندیالوی 3
تعلیم الحدیث
ایمان کا مزہ ..... ادارہ 6
ندائے حق
عرب ممالک، موجودہ صورت حال! ..... ڈاکٹر دوست محمد خان 7
اصلاح عقائد و اعمال
عمل صالح ..... مولانا عابد علی پشاوری 11
سنت و بدعت
ماہ شوال کی بدعات ..... قاری سمیع اللہ 15
جرم و جرائت
لاش پر سے گزر جاؤ ..... عبداللہ قارانی 18
تزکیہ و تربیت
اور رمضان کے بعد۔۔۔۔۔؟ ..... ڈاکٹر حشمت علی صافی 21
تاریخ اسلام
ملت حنفیت۔۔۔ ولی اللہی اور سندھی نقطہ نظر ..... مفتی محمد ایاز 25
حالات حاضرہ
ایک امت۔۔۔ ایک آسمان۔۔۔ ایک چاند! ..... اوریا مقبول جان 34
گوشہ خواتین
بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے محفوظ گھر کون سا ہے؟ ..... انجینئر نوید قمر 38
گوشہ خواتین
گھر کی اصلاح ..... سید حامد علی 42
انفاق فی سبیل اللہ
ایک روٹی اور سات راتیں ..... محمد طارق نعمانی 48
صفائی اور اسلام
نصف ایمان ..... انجینئر عادل شاہ 50
مقالات و مضامین
"تجدید" اور "تجدد" میں بنیادی فرق ..... مولانا زاہد الراشدی 52
مقالات و مضامین
مذہب اور سائنس ..... لقمان احمد 55
اخبار و احوال
جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کی معمولات و سرگرمیاں 59

قیمت فی شمارہ 30 روپے زر سالانہ ——— 160 روپے
سالانہ زر تعاون بیرون ممالک: 20 ڈالر
بینک اکاؤنٹ نمبر: 012003200-8
بینک کوڈ: 0864
الائیڈ بینک لمیٹڈ فقیر آباد برانچ پشاور پاکستان۔
برائے رابطہ:
فون: 300 45 22-91-92+، موبائل: 151 93 93 333(0)92+

مجلس ادارت
پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر
پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان
مولانا ڈاکٹر اکرام الحق یاسین
مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
انجنیئر میاں محمد الیاس
پروفیسر سید طاہر شاہ

مجلس مشاورت
مفتی ضیاء الحق
جناب یوسف ظفر
مولانا سمیع اللہ
مفتی محمد حسین
ابو ثاقب شکیل احمد

خط و کتابت کا پتہ
مجلہ "تبلیغ القرآن"
جامعہ تبلیغ القرآن
یوسف آباد ولہ زاک روڈ پشاور پاکستان۔
ای میل
mujalla.jamiatq@gmail.com
ویب سائٹ
www.alishaat.com

پبلشر:۔ ڈاکٹر مولانا حشمت علی صافی
پرنٹر:۔ العلم پبلشنگ سروسز
ترسیل انچارج
قاری احتشام الحق
0333-9393151

تعلیم القرآن

ضیاء البیان فی تفسیر القرآن

علامہ عطاء اللہ بندیالوی

﴿سورۃ البقرہ (۱۵۸۔۱۶۴)﴾

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ:

- یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اس لیے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور جو شوق سے کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے تو اللہ قدر دان جاننے والا ہے۔
- جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم انہیں کتاب میں لوگوں کیلئے واضح بیان کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔
- مگر جو اس روش سے باز آ گئے اور اپنی اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کر بیان کرنے لگے تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔
- یقیناً جو لوگ کفر پر اڑے رہے اور کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں

کی لعنت ہے۔

- وہ ہمیشہ لعنت ہی میں رہیں گے، نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہو گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔
- تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ بہت پر مہربان انتہائی رحم کرنے والا ہے۔
- (اللہ کے الٰہ اور معبود ہونے کی دلیل یہ ہے) بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں رات اور دن کے آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدہ کا سامان لیکر سمندر میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے اوپر سے برسایا اور اس کے ذریعہ مردہ اور بنجر زمین کو زندگی بخشی اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں (ان سب چیزوں میں) عقل مندوں کیلئے (اللہ کی معبودیت کی) نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔

تفسیر و تشریح:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

تحویل قبلہ کے متعلق شبہ کے جواب کے بعد رسالت پر دوسرے شبہ کا جواب دیا جارہا ہے۔

مشرکین مکہ نے صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر دو بت نصب کر رکھے تھے وہ دوران سعی ان بتوں کو ہاتھ سے چھوتے اور چومتے تھے مسلمانوں نے جب صفا مروہ کی سعی کی تو مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ ہمیں بتوں کی تعظیم سے منع کرتے ہیں اور خود ان پہاڑیوں کی تعظیم کرتے ہیں یا مسلمانوں کے دلوں میں صفا مروہ کی سعی کرتے ہوئے انقباض پیدا ہوا کہ جہاں آج تک شرک ہوتا رہا اس جگہ کی تعظیم کا کیا مطلب؟

اس آیت میں اس کا جواب دیا کہ صفا مروہ پہاڑیاں اللہ کی توحید کی یادگاریں ہیں، صفا مروہ کی سعی ان نصب بتوں کی تعظیم کیلئے نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل اور شعائر اللہ کی تعظیم کیلئے ہے۔ ماقبل سے اس کا ربط اس طرح بھی جوڑا جاسکتا ہے کہ صفا مروہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس بجھانے کیلئے دوڑی تھی، اس کے صبر کا یہ پھل اللہ نے انہیں عطا فرمایا کہ اس جگہ کو شعائر اللہ بنادیا لہذا تم بھی مصائب میں صبر سے کام لیا کرو۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡہُدٰی

اس آیت کا تعلق اگرچہ تحویل قبلہ کی بحث کے ساتھ ہے بظاہر خطاب اہل کتاب کے ان علماء اور گدی نشینوں سے ہے جنہوں نے تحویل قبلہ کے بارے طوفان بد تمیزی اٹھایا اور عملاً تورات و انجیل کے احکام کو عوام الناس سے چھپایا مگر آیت کا حکم عام ہے۔ اگر اس امت کے علماء اور گدی نشین بھی قرآن و سنت کے واضح احکامات کو چھپائیں اور یہی روش اختیار کریں تو ان کیلئے بھی یہی شدید ترین وعید ہو گی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام دی جائے گی۔ [ترمذی]

آج ہمارے معاشرے میں کتنے بڑے بڑے عالم اور گدی نشین ہیں کہ شرک کی تردید اور توحید کے بیان سے ان کی زبانیں گنگ ہیں اور وہ مصلحت کا شکار ہیں۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ

کتمان حق کرنے والے عالم کی توبہ یہ ہے کہ وہ توبہ کرے اور اس کے کتمان کی وجہ سے جو فساد ہوا اس کی اصلاح کرے، پھر لوگوں کے سامنے حق بات واضح الفاظ میں بیان کرے۔

وَ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶۳﴾

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۲ میں دعویٰ توحید کا پہلی دفعہ ذکر ہوا اب یہاں اس دعوے کا اعادہ ہو رہا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ اس پوری کائنات کا الہ اور معبود صرف اللہ رب العزت ہے، یہ عظیم الشان دعویٰ ہے جس کا چھپانا اور جس کو واضح طور پر بیان نہ کرنا لعنت کا سبب ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ

یہ دعویٰ پر دلیل عقلی ہے۔ اللہ رب العزت نے غیر اللہ سے الوہیت کی نفی فرمائی اور اپنی الوہیت کا اعلان فرمایا تو اسے جبر اور ڈنڈے کے زورے سے نہیں منوایا بلکہ ایسی دلیل سے اپنے دعویٰ کو ثابت فرمایا جس کا تعلق انسانی عقل سے ہے غلہ، پھل، میوے اور کپڑے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر قسم کے جانوروں کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ کشتیوں کے ذریعے تجارت کر کے تم مال کماتے ہو، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے تو پھر عبادت و پکار کے لائق بھی اللہ ہی ہے اور پھر عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نذر و نیاز بھی اسی کے نام کی دیا دو!

تعلیم الحدیث

ایمان کا مزہ

ادارہ

عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔ [مسلم]

ترجمہ:

سیدنا عباسؓ بن عبد المطلب کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے کہ اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اس پر راضی اور خوش ہے کہ اللہ ہی اس کا رب ہے، اسلام ہی اس کا دین ہے اور محمد ﷺ ہی اس کے رسول ہیں۔

تشریح:

دین پر عمل اور اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت اس طرح مطلوب ہے کہ یہ اطاعت آدمی کا ذوق بن جائے، اور اطاعت میں اس کو لذت اور چاشنی ملنے لگے۔ یہ لذت اور نعمت اسی خوش نصیب کو نصیب ہوتی ہے جو تین حقیقتوں کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرلے اس کا دل ان حقیقتوں پر پوری طرح ٹک جائے، راضی اور مطمئن ہو جائے، وہ اللہ کو اپنا رب دل سے مان لے، اس کا دل اس حقیقیت پر ٹک جائے کہ وہی اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے، وہی اس کو تمام مصائب سے بچاتا ہے، اور یہ یقین اس کے دل کی ٹھنڈک بن جائے۔

پھر عملی زندگی میں وہ اسلام کو اپنا واحد طریق زندگی اس طرح تسلیم کرلے کہ اس سے سر مُو انحراف کو وہ اپنی تباہی یقین کرے، اور حضرت محمد ﷺ ہی کو اس طرح اپنا رہنما اور رسول تسلیم کرے، کہ یہ یقین اس کے دل کا ذوق بن جائے، اور اس یقین کے ساتھ آپ کی اتباع کرے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ رسول ﷺ کی کامل اطاعت کی جائے اور دل کے شوق ورغبت سے کی جائے۔

بے شک دل سے چند عقائد تسلیم کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہی ایمان ہے۔ مگر اس ماننے کی حیثیت اور کیفیت وہ نہیں ہے جو عام چیزوں کے ماننے کی ہوتی ہے۔ یہ چند انقلابی عقائد ہیں، ان کو تسلیم کرنے سے ذہن و فکر، اور عمل ورویہ میں ایک خوش گوار انقلابی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر اسی وقت جب اللہ کو واقعی اپنا رب، اسلام کو واقعی اپنا دین اور محمد ﷺ کو واقعی اپنا رسول ماننے پر دل پوری طرح ٹک جائے، اور اس یقین و اطمینان سے دل سرشار ہو، یہ اطمینانِ قلب، شرح صدر اور یقین کی ٹھنڈک جس خوش نصیب کو حاصل ہوگئی اس نے ایمان کی لذت پالی۔

ندائے حق

عرب ممالک، موجودہ صورت حال!

ڈاکٹر دوست محمد خان
ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر یونیورسٹی آف پشاور

ایک زمانہ تھا عرب ممالک ایک ہی ملک کے طور پر بنی اُمیہ، بنی عباس اور پھر خلافت عثمانیہ کے تحت عالمِ اسلام میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ عثمانی خلافت کچھ داخلی اور کچھ بیرونی حالات کی وجہ سے پارہ پارہ ہوئی تو عالمِ عرب بھی انتشار کا شکار ہوا جن کے نتیجے میں عرب دُنیا آج کے عرب ممالک کی صورت میں تقسیم در تقسیم ہو کر سامنے آئی۔۔ اِس خطے میں برطانوی، اطالوی اور دیگر یورپی استعمار کا کیا کردار رہا، اُس تفصیل میں جانا اِس وقت شاید اتنا ضروری نہیں لیکن اتنی بات بہت اہم ہے کہ جزیرۃ العرب اور دیگر ممالک میں اسی استعمار نے اپنے کام کے لوگوں کو دولت و اقتدار کی چمک دکھا کر عثمانی خلافت کے خلاف کر کے استعمال کیا اور پھر عظیم جزیرۃ العرب کو اُردن، مسقط، کویت، بحرین، لبنان اور فلسطین جیسے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنے مخصوص لوگوں کے حوالے کیا۔ بعض خطوں میں اگرچہ ایسے قائدین بھی اُبھرے جو استعمار سے آزادی کے ہیرو زتھے لیکن اُن کو بہت جلد منظر سے ہٹا دیا گیا، اس کے نتیجے میں زیادہ تر عرب ممالک میں قومی رہنماؤں نے قومی حکومتیں بنا کر اپنی اپنی سلطنتیں قائم کر لیں۔

انیسویں صدی میں اگرچہ دُنیا میں چند ایک جمہوری حکومتیں تھیں لیکن عرب دُنیا میں زیادہ تر بادشاہتیں یا آمرانہ حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اگرچہ مشرق وسطیٰ یا جزیرۃ العرب اپنے جغرافیائی محل وقوع اور اسلام جیسے مقدس اور آخری دین کے مرکز ہونے کی بناء ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا ہے لیکن بیسویں صدی میں اِس کی اہمیت اِس لحاظ سے اور بھی بڑھ گئی کہ برطانیہ سپر پاور کی حیثیت سے آخری دور میں داخل ہونے کے باوجود جزیرۃ العرب کے قلب میں اسرائیل جیسے ناجائز نسلی بنیادوں پر ابھرنے والے ملک کے قیام کیلئے سارے تانے بانے بن چکا تھا اور امریکہ مستقبل کے سپر پاور کا کردار سنبھالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس طرح ۱۹۱۷ سے ۱۹۴۹ء [قیام اسرائیل تک] یہ خطہ پہلے برطانیہ اور یورپ اور پھر اسرائیل کے سرپرست کی

حیثیت سے امریکہ کی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ رہا۔

پھر ۱۹۵۰ء کے عشرے میں جب اِس خطے کے صحراؤں میں سیال سونے کے سمندروں کا پتہ چلا تو سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں سرخیل کے طور پر امریکہ اور برطانیہ کی دلچسپی اور بھی بڑھ گئی۔ اُس وقت سے لیکر آج تک جزیرۃ العرب میں عوام کی نمائندہ حکومت بہت کم وجود پذیر ہو سکی۔ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اگرچہ کچھ قومی جذبات پروان چڑھے تھے جس نے عرب ممالک میں اتحاد سا پیدا کر دیا تھا لیکن عالمی استعمار نے بہت جلد امریکی اور روسی بلاک میں منقسم ممالک کے درمیان حالات کے ہاتھوں پیدا شدہ اتحاد کو مکڑی کا جالا بنا کر رکھ دیا اور اِس کے نتیجے میں ایسے لیڈر اور حکمران پیدا ہوئے جنہوں نے عربوں کے اسلامی تشخص کو داؤ پر لگا دیا۔ ایک اہم عرب ملک کے "مشہور" قومی رہنما اور صدر نے اپنی پوری قوم کو بڑے فخر کے ساتھ "ابناء الفرعون" [فرعون کے بیٹے] قرار دیا۔

اسرائیل سے امریکہ کے طفیل ذلت آمیز شکست کے بعد عربوں میں قائم حکومتوں کو زیادہ توجہ اِس بات پر صرف کرنا پڑی کہ ہماری حکومتیں بس قائم رہیں اور ہمیشہ قائم رہیں۔ استعمار نے اُن کی اِس کمزوری کو بھانپ لیا تھا لہٰذا اُن کی اِس کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن کو یقین دلایا کہ آپ بے فکر رہیں اور آرام سے اقتدار کے مزے لوٹیں۔ ہم آپ کے ہاں کے خزانوں کو نکال کر آپ کو بھی مالا مال کریں گے اور اپنا کام بھی چلائیں گے۔ اس طرح گذشتہ پانچ چھ عشرے آرام سے گزرتے رہے، لیکن اس دوران پلوں کے نیچے سے اتنا زیادہ پانی گزرا کہ ایک نئی دُنیا وجود میں آئی لیکن عرب ممالک کے حکمران اِس سے دانستہ طور پر آنکھیں بند کئے رہے۔ عرب ممالک میں تیل کی بے بہا دولت نے اُن کی نوجوان نسل پر تعلیم و تعلم اور سیر و سیاحت کے ذریعے امریکہ اور مغرب کے دروازے کھول دیے۔ ۱۹۸۰ء سے ۲۰۱۰ء کے عشروں میں سارے جزیرۃ العرب اور شمالی افریقی عرب ممالک سے بلا مبالغہ لاکھوں نوجوان یورپ سے تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے ملکوں میں واپس آئے۔ یہاں آنے کے بعد اُن نوجوانوں نے ایک واضح فرق پایا۔ لیکن وسائل زندگی کی فراوانی اور عیش و عشرت کی زندگی نے اُن کو ایک عرصے تک خاموش رکھا۔

چونکہ بادشاہت اور آمریت میں میڈیا اور تحریر و تقریر کو آزادی دینے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا جبکہ امریکہ اور مغرب سے لوٹی ہوئی نوجوان نسل نے مغرب میں اپنے ہم عمر یونیورسٹی فیلوز عوام اور اساتذہ کو کھلم

کھلا حکومتوں پر تنقید کرتے ہوئے دیکھا تھا لہٰذا اُن کے اندر اِن جراثیم کا پیدا ہونا لازمی تھا، جبکہ یہاں اِس قسم کی آزادی اُن کو کہاں میسر تھی، لہٰذا اُنہوں نے اپنے معاشروں میں ایک گھٹن محسوس کرنا شروع کی۔

اِس صورت حال میں جلتی پر تیل کا کام میڈیا انقلاب نے کیا۔ انٹرنیٹ اور فیس بک نے دُنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کر کے سب کچھ تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

عرب ممالک میں برپا شور و غوغا اور احتجاج کی لہروں کے پیچھے ایک اہم عنصر یہ ہے کہ وہاں اب عالمی کساد بازاری اور مہنگائی کے اثرات پہنچ گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بے روزگاری بڑھنے کے علاوہ عام ضروریات کی اشیاء مہنگی ہو گئی ہیں، اب وہ عوام جو کبھی بھرے دستر خوانوں کی عادی تھی، اب عام آدمی کی طرز زندگی پر ناخوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔ اِس طرح اِس عنصر نے بھی لوگوں کو سڑکوں پر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس سلسلے کا ایک اور بہت اہم عنصر یہ بھی ہے کہ گو کہ مغربی جمہوریت شاید بہت سارے مسلمانوں کے نزدیک اسلام کے سانچے میں مکمل فِٹ نہ بیٹھتی ہو لیکن اِس وقت اِس کا آوازہ اتنا بلند ہو چکا ہے کہ عام آدمی کی زبان پر یہ جملہ ہے کہ "بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے اچھی ہوتی ہے" حالانکہ یہ بات بہت زیادہ قابل بحث ہے اور اسلامی تاریخ میں خلافت اور بعض دیگر مسلمان حکمران اِس سے ضرور مستثنیٰ ہیں۔ لیکن عرب ممالک میں آج بھی شاید تاریخی تسلسل کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اب چونکہ صورت حال مکمل طور پر تبدیل ہو رہی ہے تو اِس لئے شاید وقت آ چکا ہے کہ عرب ممالک کے حکمران بالخصوص اور اسلامی دُنیا میں بالعموم اب نئے دور اور نئی نسل کے تقاضوں اور مطالبات کو معروضی بنیادوں پر پرکھا جائے اور اُن کے حل کیلئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ عالمِ اسلام میں انتشار کو ختم کر کے اُن کو آگے بڑھنے کے مواقع دیں۔

ملک کی مثال تو گھر اور حکمران کی مثال تو گھر اور خاندان کے سربراہ یا باپ کی ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی اِس قسم کا شدید مسئلہ پیش آئے تو گھر اور کنبہ کے افراد مل بیٹھ کر معاملات کو خوش اسلوبی اور اہل و عیال کے مفادات کو مدنظر رکھ کر طے کرتے ہیں۔

عالم اسلام کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے اقتدار کی کرسیوں

پر براجماں رہیں تاکہ اقتدار کے مزے جو جنّت ارضی سے کم نہیں ہوتے ہمیشہ کیلئے لوٹتے رہیں۔

حالانکہ اگر قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے تو اقتدار تو عوام کے حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے یہ اتنی بھاری امانت ہے کہ اگر اِس کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا گیا تو قیامت کے دن یہ حکمران بلبلا اُٹھیں گے اور ہاتھ ملتے رہیں گے کہ اے کاش! ہم یہ بارِ امانت قبول ہی نہ کرتے۔ جبکہ عالمِ اسلام کا حال یہ ہے کہ اقتدار کیلئے جائز وناجائز کوششوں کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں لوگوں کا خون بھی ہو جائے تو پرواہ تک نہیں۔ اگر ہمارا مقتدر طبقہ ایک لحظے کیلئے سوچے کہ آخر یہ زندگی تو ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے اور پھر انہوں نے اتنا کمایا ہوتا ہے کہ اگر زندگی کے آخری چند برسوں میں اقتدار میں نہ بھی رہیں تو پھر بھی اِن کی زندگی پر معاشی لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تو کیا یہ اپنی عاقبت سنوارنے کیلئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ لو! میرے عزیز ہم وطنو! جب تم مجھ سے اتنے تنگ آئے ہو کہ مجھے ہٹانے کی تگ ودو میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ملک و قوم کے اثاثوں کو شدید نقصان پہنچانے کا بھی باعث بن رہے ہو، لہٰذا ہم کنارہ کش ہو گئے۔ تم لوگ اتحاد و محبت کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنی مرضی کی حکومت ملک و قوم کے فلاح و بھلائی و بہبود کے کاموں کو آگے بڑھاؤ۔ کاش یہ سوچ یہ فکر ہم میں پروان چڑھ سکے۔ کاش عالمِ اسلام کا انتشار ختم ہو سکے۔ اِس لئے کہ ہمارے اِسی انتشار سے عالمی استعمار جو متحد ہے ناجائز فوائد کے حصول کیلئے انسانیت کے سارے اصول بالائے طاق رکھتے ہوئے عوام کے حقوق و آزادی کے نام پر ہمارے ہی لوگوں کا قتل عام کر رہا ہے، کیا یہ بہت بڑی عبرت نہیں ہے۔

فرق

ماں نے پل پار کرتے ہوئے بیٹے سے کہا ''بیٹا! میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لو''

بیٹے نے کہا'' نہیں آپ میرا ہاتھ پکڑلیں''

ماں نے حیران ہو کر پوچھا'' اس میں کیا فرق ہے''

بیٹے نے کہا''ماں اگر میں نے ہاتھ پکڑا تو میں مشکل میں ہاتھ چھوڑ دوں

اصلاح عقائد و اعمال

عمل صالح

مولانا عابد علی پشاوری
مدرس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

ایمان کے بعد اسلام میں جس چیز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ انسان کا کردار اور اس کا عمل ہے، در اصل اسلام نام ہی ہے ایمان اور عمل صالح کا۔ اسی لیے دنیا و آخرت میں اللہ کے سارے وعدے ایمان اور "عملِ صالح" کے ساتھ مشروط ہیں۔ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ بے شمار جگہ "عمل صالح" کا ذکر آیا ہے۔

ہم ذیل میں صرف چند آیات درج کرتے ہیں:

- اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ [البقرہ:۶۲]

"جو لوگ مومن ہوئے، جو یہودی ہوئے اور جو عیسائی اور صابی ہیں، ان میں سے جو (سچ مچ) اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں گے اور صالح اعمال کریں گے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور (آخرت میں) انہیں کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی گروہ سے محبت یا نفرت نہیں۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ انسان ایمان اور عملِ صالح کی بے بہا نعمتوں سے اپنے دامن بھر لیں۔ جو عاقبت اندیش انسان ایسا کریں گے وہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ اور اس کے اجر کے مستحق ہوں گے:

- وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾ [النساء: ۱۲۲]

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے صالح اعمال کیے، انہیں ہم ایسی جنتوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا اور پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر سچ بات کہنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟"

اس آیت سے کئی باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ ایمان اور عمل صالح کی یقینی جزا جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ مومن کا معمولی نیک عمل رائیگاں نہ جائے گا۔ تیسری یہ کہ بد کرداری کی سزا مل کر رہے گی۔ الا یہ کہ انسان اس سے توبہ کرلے۔ خدا کی اس سزا سے انسان کو خدا کے سوا کوئی بچا نہیں سکتا۔

- اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا [کہف:۴۶]

''مال اور اولاد (بس) دنیوی زندگی کی آرائش ہیں اور باقی رہنے والے نیک اعمال تمہارے رب کے نزدیک ثواب اور توقع کے لحاظ سے (اُن سے) کہیں بہتر ہیں۔''

معلوم ہوا کہ دولت اور اولاد تو سطحی اور نمائش چیزیں ہیں۔ یہ تھوڑا بہت کام آ بھی سکتی ہیں تو صرف دنیا میں، آخرت میں وہ ذرا بھی کام آنے والی نہیں۔ دنیا و آخرت، دونوں میں کام آنے والے اور اللہ کے یہاں قدر و قیمت کے مستحق صرف نیک اعمال ہیں۔

- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا [مریم:۹۶]

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے خدائے مہربان ان کے لیے (دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔''

دین حق کی راہ مخالفتوں اور کشمکشوں کی راہ ہے۔ مگر یہ آیت بتاتی ہے کہ کوئی گروہ ایمان اور عمل صالح کی صفات رکھتا ہو تو مخالفتیں بالآخر ختم ہو جاتی ہیں، لوگ حق اور داعیانِ حق کو پہچان لیتے ہیں اور اُن کی عداوت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

- وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ [النور:۵۵]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے صالح اعمال کیے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو عطا فرمائی تھی۔ اور جو دین اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اسے غلبہ بخشے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ خلافتِ الٰہی اسی گروہ کو ملتی اور دین کا غلبہ اسی گروہ کے ہاتھوں ہوتا ہے جو ایمان اور عمل صالح کی اعلیٰ صفات اپنے اندر رکھتا ہو۔ جو گروہ یہ صفات پیدا کرلے گا دنیا میں بالآخر اسے امن وامان ملے گا، اس کے ہاتھوں دین غالب ہوگا اور وہ خلافت الٰہی کا مستحق قرار پائے گا۔

عمل صالح کیا ہے:

''عملِ صالح'' کسی مخصوص نیکی کا نام نہیں ہے۔ عمل صالح یہ ہے کہ مومن اپنی پوری زندگی میں اللہ کی رضا جوئی اور اس کے رسول ﷺ کی راہ اختیار کرے۔ اس صورت میں اس کی پوری زندگی ''عملِ صالح'' بن جائے گی۔ اس کا سونا، جاگنا، کھانا پینا، کمانا، بال بچوں کو پالنا حتی کہ بیوی سے ہم بستر ہونا، سب ''عملِ صالح'' قرار پائے گا اور سب پر وہ اللہ کے اجر کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں ہے:

''طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ'' [شعب الایمان بھیقی]

''حلال کمائی کی تلاش، فرض کے بعد فرض ہے۔''

حدیث میں سورہ جمعہ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

- فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [الجمعہ: ۱۰]

''تو جب نماز (جمعہ) ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (حلال رزق) تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔''

یعنی جس طرح نماز کے وقت نماز فرض ہے اسی طرح نماز سے فراغت کے بعد حلال کمائی کا، جو اللہ کے فضل سے ملتی ہے، حصول فرض ہے۔ البتہ حصولِ رزق کی تگ ودو میں ضروری ہے کہ انسان اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھے تاکہ وہ حرام کمائی اور دولتِ دنیا کی محبت سے بچا رہے۔ اور جب مالِ دنیا پائے تو اسے اللہ کے حکم کے مطابق صحیح کاموں میں خرچ کرے۔ صرف اسی طرح انسان فلاح وکامرانی پاسکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ وَ دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ۔ [مسلم]

''دینار (اشرفی) جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، دینار، جو تم غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرو، دینار، جو تم کسی غریب پر صدقہ کرو اور دینار جو گھرانے کے افراد پر خرچ کرو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس دینار پر ملے گا جو تم اپنے بال بچوں پر خرچ کرو گے۔''

یعنی جو شخص اپنی حلال کمائی سے اللہ کی رضا کے لیے امورِ خیر میں خرچ کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی اپنے بال بچوں کا حق بھی ادا کرتا ہے اسے بال بچوں پر خرچ کرنے کا غیر معمولی اجر ملے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ قَالَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرًا۔ [مسلم]

''ہر تسبیح (سبحان اللہ) میں نیکی ہے۔ ہر تکبیر (اللہ اکبر) میں نیکی ہے۔ ہر تحمید (الحمد للہ) میں نیکی ہے۔ ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) میں نیکی ہے۔ نیکی کے حکم کرنے میں نیکی ہے۔ برائی سے روکنے میں نیکی ہے۔ تمہاری شرمگاہ (کے صحیح استعمال) میں نیکی ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ، ہم میں کوئی آدمی اپنی شہوانی خواہش پوری کرتا ہے تو اس میں بھی اسے ثواب ملتا ہے؟ فرمایا: سوچو تو سہی! اگر شرمگاہ کو وہ حرام جگہ استعمال کرتا تو اسے گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی جب اسے حلال جگہ برتا تو اسے اجر ملے گا۔''

اللہ اکبر! یہ ہے اللہ کی شان کریمی! جائز طریقے سے خواہش پوری کرو تو بھی اجر! یہ ہے ''عمل صالح'' جو کام کرو اللہ کی رضاجوئی کے لیے، اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے، اللہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرو۔ ''عمل صالح'' کا اولین بنیادی جزء یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ سے صحیح ہو۔ عمل صالح کا دوسرا اہم اور بنیادی جزء بندوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ عمل صالح کا تیسرا اہم اور بنیادی پہلو وہ ہے جسے عام طور سے ''اخلاق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اعمال صالحہ کا حقیقی مفہوم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

سنت وبدعت

ماہ شوال کی بدعات

قاری سمیع اللہ
شعبہ کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ

یہ معلوم ہونا چاہیے علوم وعبادات سے متعلق عام بدعتیں امت کے اندر خلفائے راشدین کے بعد آخری دور ہی سے ظاہر ہونے لگی تھیں اور اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی دی تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَىٰ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔

''تم میں سے جو باحیات ہوگا اسے بہت سارے اختلافات نظر آئیں گے لہٰذا ایسے وقت میں میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت وطریقہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔''

یہ بدعتیں دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہوگئی تھیں جب کہ صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس طرح کی بدعتوں کی مخالفت کی تھی پھر بعد میں معتزلہ کی بدعت سامنے آئی اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا دور شروع ہوگیا۔ پھر لوگوں میں اختلاف آراء اور بدعت وخواہشات کی طرف میلان وجھکاؤ کا ظہور ہوا پھر غلط تصوف کی بدعت، قبروں کو پختہ بنانے کی بدعت سامنے آئی اور اسی طرح جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بدعتیں سامنے آتی گئیں اور اس کی شاخیں پھیلتی رہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ بدعات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، بعض کا تعلق خوشی غمی سے ہیں، بعض کا مختلف تہواروں سے جبکہ بعض کا تعلق سال کے مختلف مہینوں سے ہے۔ ان مہینوں میں کئے جانے والی بدعات میں سے رائج شوال سے متعلق چند بدعات کا ذکر یہاں کی جاتی ہیں جن سے بچنا انتہائی ضروری ہیں:

۱۔ بعض مسلمان ماہ محرم اور ماہ صفر کی طرح ماہ شوال میں بھی شادی یا نکاح نہیں کرتے ہیں اور نہ خوشی مناتے ہیں۔ محض اس شبہ کی بنا پر کہ ماہ شوال میں نکاح دو عیدوں کے درمیان پڑتی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کی اس رسم بد کو مٹانے کے لیے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی

اللہ عنہا سے ماہ شوال میں شادی کی اور رخصتی کرائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ کے ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہوں، اس لیے اگر شوال میں شادی ورخصتی کی جائے تو فضیلت سے خالی نہیں۔ اسلام کی نظر میں کوئی دن، تاریخ، مہینہ اور ساعت منحوس نہیں، ایسا عقیدہ رکھنا خلاف شرع ہے۔

۲۔ بعض لوگ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد امام اور نماز میں شامل دوسرے حضرات سے سلام و مصافحہ کرتے ہیں اور بالخصوص نماز عیدین کے بعد تو عید کی مبارکبادی کا سلسلہ مصافحہ و معانقہ سے شروع کرتے ہیں جس کو لازم سمجھا جاتا ہے اور مسجد کی بے ادبی بھی ہوتی ہے۔ یہ صریح بدعت ہے۔ احادیث کے ذخیرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا البتہ بوقت ملاقات سلام و مصافحہ کرنا احادیث سے ضرور ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت قرآن وحدیث میں آئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً۔

[النور:۶۱]

''پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے اہل وعیال اور اقرباء ودوست احباب کو سلام کر لیا کرو یہ اللہ کی طرف سے بہترین اور بابرکت سلام (اور ہنسی خوشی سے رہنے کی دعا) ہے۔''

ارشاد نبوی ﷺ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک بار مجھ سے فرمایا: اے انس کامل وضو کیا کرو اس کی برکت سے عمر میں اضافہ ہوگا اور میری امت کے جس شخص سے ملو اس کو سلام کرو، اس سے تمہاری نیکیاں بہت ہو جائیں گی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں پر سلام کرو اس سے تمہارے گھر میں بڑی بھلائی ہوگی۔ [صحیح بخاری:۱/۱۰۳]

اور فرمایا: ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو علیحدہ ہونے سے پہلے ان دونوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [سنن أبی داؤد:۴/۳۵۴]

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مصافحہ ومعانقہ کرنا ملاقات کے وقت ہے۔ عید گاہ میں نماز کے بعد خصوصی مصافحہ و معانقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین سے اور نہ ائمہ اسلام سے۔ تمام فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح

فرمائی ہے: يُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ مَا صَافَحُوْا وَلِأَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ۔ [مجالس الابرار:۲۱]

''نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ نے نہیں کیا اور اس وجہ سے کہ یہ رافضیوں کی بدعت ہے۔''

شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے بھی نماز عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنے کو بدعت لکھا ہے۔

[مائۃ مسائل:۲۴]

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''نماز جمعہ و عیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سنت سمجھنا مکروہ ہے۔'' [کفایت المفتی:۳/۲۳۸]

رہا مسئلہ عید مبارکباد و عید ملن کی مجلس رچانا تو عید گاہ میں ایک راستہ سے جانا اور راستہ بدل کر آنا سنت ہے۔ اگر راستے میں دوست، احباب اور رشتہ دار سے ملاقات ہو تو سلام و مصافحہ کر کے ان الفاظ میں مبارک باد پیش کریں۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ۔

انہی الفاظ سے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کو عید وغیرہ کی مبارکی دیتے تھے۔

یہ ہے عید ملن اور دینی اخوت و محبت کا اسلامی طریقہ اس کے علاوہ دور حاضر میں عید ملن کا جو چلن ہے وہ سنت کے خلاف ہے۔

نجوم ہدایت

لاش پر سے گزر جاؤ

عبداللہ فارانی

رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت خون ریز لڑائی ہو رہی تھی۔ اس لڑائی میں ایک مجاہد ہشام رضی اللہ عنہ بہت زیادہ سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ ایک موقعے پر مسلمانوں میں کچھ کمزوری کے آثار دکھائی دیئے تو ان پر اور زیادہ جوش سوار ہو گیا۔ انہوں نے سر سے خود اتار کر پھینک دیا اور للکارے:

مسلمانو! یہ کافر ہماری تلواری کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، جو میں کرتا ہوں، تم بھی وہی کرو۔

یہ کہہ کر وہ مردانہ وار تلوار چلاتے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے اور مارتے کاٹتے چلے گئے یہاں تک کہ رومی لشکر کے درمیان میں پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

''مسلمانو! میں عاص بن وائل کا بیٹا ہشام ہوں، آؤ میرے ساتھ جنت تمہاری منتظر ہے، میرا ساتھ نہیں دو گے تو گویا جنت سے بھاگتے ہو۔''

اسی طرح مردانہ وار لڑتے اور آگے بڑھتے رہے۔ رومیون نے انہیں ہر طرف سے پوری طرح گھیر لیا۔ ان پر چاروں طرف سے تلواریں برسنے لگیں، وار پر وار ہونے لگے۔ وہ بھی بلا کی تیزی سے تلوار گھما رہے تھے، اس طرح انہوں نے مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے بہت سے رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر خود بھی شہادت کا جام نوش فرمایا، اس وقت یہ لڑتے لڑتے ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہو گئے تھے، وہیں ان کی شہادت ہوئی، گھاٹی میں سے ایک وقت میں ایک آدمی گزر سکتا تھا، گھاٹی کے دوسری طرف صرف چند مسلمان رومیوں کی بھاری تعداد کے گھیرے میں آچکے تھے، دوسرے مسلمانوں کو ان کی مدد کے لیے پہنچنا تھا، لیکن گھاٹی میں حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی لاش ان کا راستہ روک چکی تھی۔ ایسے میں ان کے بھائی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھاٹی تک پہنچ گئے، صورت حال دیکھ کر وہ پکارے۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کو شہادت سے سرفراز فرمایا ہے اس کی روح کو اپنے پاس بلا لیا ہے یہاں تو صرف اس کا جسم ہے اس لیے تم لاش کے اوپر سے ہوتے ہوئے گزر جاؤ۔

یہ کہہ کر انہوں نے خود اپنا گھوڑا سب سے پہلے آگے بڑھایا اور بھائی کی لاش کے اوپر سے ہوتے گزر گئے۔ ان کے پیچھے دوسرے مجاہدین بھی گھاٹی عبور کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لڑائی میں رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی، یہ جنگ جنگ اجنادین تھی۔ لڑائی ختم ہونے پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی لاش کے ٹکڑے جمع کیے اور بوری میں بھر کر دفن کیا۔

یہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ، عاص بن وائل کے بیٹے تھے، عاص بن وائل کی قسمت میں اسلام کی دولت نہیں تھی، نہ صرف یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا، بلکہ اس نے مسلمانو کو بہت ستایا۔ آپ ﷺ کی شان میں بھی گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان، وہ بد قسمت تھا، لیکن اس کے دونوں بیٹوں حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا۔

ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن اسلام لانے میں اپنے بڑے بھائی سے پہل کر گئے، اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک اسلام کی تبلیغ رازدارانہ انداز میں ہو رہی تھی، لیکن جب نبوت کے چوتھے سال اللہ کا حکم پا کر آپ ﷺ نے مشرکین کو علانیہ دعوت دی تو وہ ظلم ڈھانے پر اتر آئے، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، کئی سال تک وہ ہر طرح کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، نبوت کے چھٹے سال دوسرا قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہوا تو اس میں حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ ان مسلمانوں میں شامل ہیں جو مدینے کی ہجرت سے پہلے حبشہ سے واپس مکہ معظمہ آ گئے تھے، مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کی تو یہ بھی تیار ہو گئے، ان کے خاندان والوں کو ان کا ارادہ معلوم ہو گیا، انہوں نے انہیں قید میں ڈال دیا، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت فرما کر مدینے چلے گئے۔ اسکے قریبا پانچ چھ سال بعد ایک دن موقع پا کر حضرت ہشام رضی اللہ عنہ قید خانے سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ گویا انہوں نے اتنا عرصہ قید میں گزارا۔

مکہ سے بھاگ کر جب آپ مدینہ پہنچے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ انہیں دیکھ

کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، انہوں نے ان سب میں شرکت کی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ نے برابر جہاد میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اجنادین کی جنگ میں شہادت پائی۔

مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال سن کر فرمایا:

اللہ ہشام رضی اللہ عنہ کو اپنی رحمت میں جگہ دے، وہ اسلام کے بہترین معاون تھے،

ایک بار مسلمانوں میں یہ بحث چھڑی کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ اس مجلس میں خود حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا:

میں ایک بات آپ لوگوں کو سناتا ہوں، اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم میں سے افضل کون ہے۔ ہشام اور میں اجنادین کی لڑائی میں شامل تھے جس دن صبح جنگ ہونا تھی، اس رات ہم دونوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ ہمیں شہادت عطا فرما۔ رات بھر ہم دعا کرتے رہے، صبح ہوئی تو ہشام کی دعا قبول ہو گئی، میں شہادت سے محروم رہا، اب تم سمجھ لو کہ اللہ نے کسے فضیلت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

مسلمانو ں کی مغلوبیت کے دوسبب

محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے ارشاد فرمایا: آج مسلمانوں کے قبلہ اول اور ارض الانبیاء پر یہود قوم کا تسلط ہے، جن کو انبیاء علیہم السلام کی زبان پر ملعون قرار دیا گیا ہے پھر ان کا مسجد اقصیٰ کو جلانا ، مسلمانوں کے اموال لوٹنا، ان کا بے گناہ خون بہانا اور ان پر وحشیانہ ظلم وغیرہ ،یہ اس قوم کی تاریخی جرائم پیشہ طبیعت کی ایک مثال ہے، لیکن یہ سب کچھ جو ہوا اس کے بنیادی اسباب دوہیں: ایک: دشمنان اسلام پر اعتماد اور بھروسا،جو بظاہر تعاون کا دعویٰ کرتے ہیں ، اور اندرسے مسلمانوں اور اسلام کی جڑیں کا ٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرا: آرام وراحت کا عادی ہونا، مغربی تہذیب پر فدا ہونا اور دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ۔

تزکیہ وتربیت

اور رمضان کے بعد۔۔۔۔؟

ڈاکٹر حشمت علی صافی
نائب رئیس جامعہ تبلیغ القرآن پشاور

مسلمانو! کل ہی کی بات ہے کہ امت اسلامیہ نے ایک عظیم مہینہ اورانتہائی کرم والے موسم کو الوداع کیا ہے جس کے فراق سے مومن کے دل غمناک ہیں۔وہ موسم و مہینہ ،ماہ رمضان المبارک ہے۔رمضان المبارک تو گذر گیا لیکن شب وروز کا سلسلہ جاری ہے ماہ وسال بھی آتے اور جاتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ روز قیامت تک جاری رہے گا۔

برادران ایمان! اب ماہ رمضان کے بعد کیا کریں؟

روزے نے روزہ داروں کے دل پر جو اثرات مرتب کئے ہیں وہ کیا ہیں تاکہ ہم انہی کے حوالے سے اپنے حال کا جائزہ لے سکیں، اپنی ذات، اپنے معاشرے اور اپنی امت کے حال پر غور و تامل کر سکیں اور رمضان سے پہلے اور رمضان کے بعد کے حال میں موازنہ کر سکیں؟

کیا تقوی سے ہمارے دل بھر گئے ہیں؟

کیا ہمارے عمل درست ہو گئے ہیں؟

کیا ہمارے اخلاق سنور گئے؟

کیا ہمارا کردار سدھر گیا؟

کیا ہم میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو گیا؟

کیا ہمارے دلوں سے باہمی حسد و بغض اور نفرتیں مٹ گئیں؟

کیا ہمارے خاندانوں اور معاشروں سے منکرات اور برائیوں کا خاتمہ ہو گیا؟

مسلمانو! اے وہ لوگو! جنھوں نے ماہ رمضان میں اپنے رب کے حکم پر لبیک کہا، اس کے حکم پر ہر وقت ہر ماہ اور ہر سال لبیک کہتے رہو چنانچہ اسی سلسلہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''قبل اسکے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو ٹلے گا نہیں، اپنے رب کا حکم قبول کرو''۔[الشوریٰ:۴۷]

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے دل اللہ کے ذکر سے ڈر جائیں؟ اور ہم سب متحد ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کو اختیار کر لیں؟

اللہ کے بندو! ایسی نصوص شرعیہ موجود ہیں جو اس بات کا حکم دیتی ہیں کہ اللہ کی عبادت اور اسکی شریعت پر استقامت ہر وقت اور ہر جگہ ہونی چاہیے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''مومن کے عمل کی انتہاء تو صرف موت ہی ہے۔ اللہ کا یہ ارشاد پڑھ کر دیکھ لو''

اللہ کا ارشاد ہے:

''اور اپنے رب کی عبادت کرتا جاؤ یہاں تک کہ تمھیں موت آجائے''۔ [الحجر:۹۹]

حضرت بشر حافی سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ رمضان آجانے پر بڑی محنت سے عبادت کرتے ہیں اور جب رمضان گزر جاتا ہے کہ وہ محنت چھوڑ دیتے ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا:

''وہ بہت ہی برے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو صرف ماہ رمضان میں ہی پہنچانتے ہیں۔''

برادران ایمان! ماہ رمضان کے روزے اور راتوں کے قیام کی توفیق جیسی نعمت پر اللہ کا شکر یہ ہے کہ مسلمان اپنی ساری زندگی میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر کاربند رہے۔ کیونکہ وہی معبود حقیقی ہے جسکے ماہ رمضان میں روزے رکھے جاتے اور عبادت کی جاتی ہے وہ اللہ ہی باقی زمانوں اور مہینوں میں بھی الہ و معبود ہے۔ جبکہ نیکی کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ اسکے بعد بھی نیکی کرے۔

اور کفران نعمت یا عمل کے رد کر دیئے جانے کی نشانی یہ ہے کہ بندہ اطاعت شعاری چھوڑ کر پھر معصیت و گناہ کی راہ اختیار کر لے۔

آج کے مسلمانوں کی کثیر تعداد کی ماہ رمضان میں اور رمضان کے بعد کی حالت کو دیکھنے والا شخص سخت افسوس میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ بعض لوگ ماہ رمضان کے گزرتے ہی مساجد میں آمد و رفت چھوڑ دیتے ہیں، نماز باجماعت کا اہتمام ترک کر دیتے ہیں، نمازوں میں سستی برتنے لگتے ہیں اور نیکی کے کاموں مثلاً تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، دعاء و مناجات، صدقہ و خیرات، غریبوں اور قرابت داروں سے

حسن سلوک کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور طرح طرح کی معصیت ونافرمانی منکرات وفواحش اور محرمات کا ارتکاب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ سب کام بہت سارے لوگوں کے ایمان کے ضعف وکمزوری کی دلیل ہیں۔

اللہ کے بندو! ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ماہ رمضان میں ہم نے جو نیک اعمال سرانجام دیئے ہیں انکی عمارت کو یوں مسمار نہیں کرنا چاہیے۔

اے وہ لوگو! جنہوں نے رمضان کے بعد پھر سے گناہ کی زندگی اختیار کر لینے کا عزم کر رکھا ہے، اللہ سے ڈرو، رمضان اور باقی مہینوں کا رب ایک ہی ہے اور وہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھتے والا شاہد ورقیب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

" اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے محنت کر کے سوت کاتا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے (ریشہ ریشہ) کر ڈالا۔" [النحل:۹۲]

اے نوجوان امت! اللہ تبارک وتعالی کا تقوی اختیار کریں اور اسکی طرف رجوع کریں اور رمضان المبارک کے گزر جانے کے بعد اپنے اوقات کی حفاظت کریں اور انہیں اللہ کی اطاعت وعبادت میں صرف کریں۔ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا لوگوں کے کرتوتوں سے متاثر نہ ہوں اور ہر اس فعل وحرکت سے بچیں جو انکے دین واخلاقی اقدار کے لیے بدنامی کا باعث ہو اور انکے دلوں میں ایمان کو کمزور کرے اور اسے وہ چیزیں دیکھنا، سننا، اور پڑھنا بند کر دیں جو دلوں، اعمال اور اخلاق کو خراب کرنے والی ہے اور ایسی چیزیں آجکل ذرائع ابلاغ بکثرت نشر کر رہے ہیں جو کہ اللہ عزوجل کی معصیت ونافرمانی کے ضمن میں آتی ہیں اور نوجوانوں کو برے اخلاق کے مالک ساتھیوں کی رفاقت سے بھی بچنا چاہیے۔

اے خاتون مسلمان! آپ کو بھی چاہیے کہ اللہ کا تقوی اختیار کریں اور ماہ رمضان کے گزر جانے کے بعد بھی حجاب وپردہ، عفت وعصمت اور شرافت وحشمت کے تحفظ پر کاربند رہیں اور گمراہی وفتنہ کی طرف دعوت دینے والے لوگوں کے دام فریب سے بچ کر رہیں۔

خاندانوں کے سربراہوں اور سرپرستوں کو بھی اللہ کا تقوی اختیار کرنا چاہیے اور اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھانا چاہیے اور اپنی امانتوں (زیر نگرانی لوگوں) کی حفاظت کرنی چاہئے۔ انکی تعلیم وتربیت، نگرانی اور

ان پر توجہ دینی چاہیئے تاکہ اس ارشاد الٰہی پر عمل ہو جائے جس میں اللہ نے فرمایا ہے:

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اھل و عیال کو نار (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔'' [التحریم:٦]

ماہ رمضان کے روزوں کے بعد اپنے نفس کا محاسبہ کریں جب اہل خیر و ثروت اور تاجر پیشہ لوگ تجارت کے گزر جانے کے بعد اپنے نفع کی جانچ پڑتال کرتے ہیں تو اللہ کے ساتھ اعمال صالحہ سے تجارت کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی نفع و فائدہ کی جانچ پڑتال کریں، اور اس بات پر بھی نظر دوڑاؤ کہ آپ نے اس ماہ رمضان میں اپنے لیے آگے کیا بھیجا ہے، اور رمضان کے گزر جانے کے بعد بھی اعمال صالحہ کا رویہ جاری رکھو بلکہ اس میں مزید اضافہ کرو اور طرح طرح کی اطاعت و عبادت سے اللہ کا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہو، اللہ کی قسم آخرت کے بازاروں میں نفع دینے والی تجارت یہی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

''اے ایمان والو! اللہ اور (اسکے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضایع نہ ہونے دو۔'' [محمد:٣٣]

اس لیے تمام مومنوں کے لیے یہ ضروری ہیں کہ وہ اپنی عاقل و بالغ ہونے کے پہلے دن سے لیکر اپنے آخری سانسوں تک اللہ تعالیٰ کے اطاعت اور نبی کریم ﷺ کی فرمانبرداری پر استقامت اختیار کریں۔ اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہ بول بڑے انمول

- دولت دنیا کی ہو یا آخرت کی جتنی بڑھے گی اتنی نیند کم ہوگی۔
- خوش کلامی اختیار کرو کیونکہ یہ ایک ایسا پھول ہے جو کبھی مرجھا نہیں سکتا۔
- برائی کو خود میں اچھائی کو دوسروں میں تلاش کر ویہی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔
- کسی کے ماضی پر اس کی تذلیل کرنے سے پہلے یہ سوچ لو کہ کہیں اس کا

تاریخ اسلام

ملتِ حنیفیت

ولی اللّٰہی اور سندھی نقطہ نظر

مولانا مفتی محمد ایاز
رئیس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

پس منظر:

آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے عراق کی سرزمین اُر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت ساری دنیا اللہ کو بھول چکی تھی اور قومی و بین الاقوامی سطح پر انسانیت دو لعنتوں اور شرکوں میں مبتلا تھی:

(۱) انسانی الوہیت (۲) انسانی ربوبیت [شہنشاہیت]

اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اپنی اصلی مالک، خالق اور حاکم کو پہچانتا ہو، اور صرف اسی کی عبادت و اطاعت کرتا ہو۔ اگرچہ اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم یہی ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھی۔ دنیاوی علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں ترقی کرلی تھی، لیکن دوسری طرف گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھے۔ دنیاوی ترقی کے باوجود ان کو اتنی سی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی بھی معبود ہونے کی اہل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ستاروں اور نیک ہستیوں کے مجسموں کی پرستش کرتے، نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادو ٹونے، تعویذ گنڈے اور طرح طرح کے توہمات کا ان میں خوب چرچا تھا جیسے کہ آج کل کے ہندوؤں اور جاہل مسلمانوں میں ہے۔ ان میں بھی مجاوروں اور پجاریوں کا ایک طبقہ موجود تھا جیسے ہمارے ہاں ہندوؤں کے پنڈت اور مسلمانوں میں درباروں کے مجاور اور پیر فقیر، جو مندروں اور درباروں کی محافظت بھی کرتے، لوگوں کو پوجا بھی کراتے، شادی غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتے اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ تمام لوگ ان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بری قسمت کا مالک سمجھتے تھے۔ انہی کے اشاروں پر چلتے تھے اور بے چوں و چرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دیوتاؤں اور ہمارے خداؤں کے ہاں ان پجاریوں کی پہنچ ہے، یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی ورنہ ہم تباہ ہوجائیں گے۔ ان پجاریوں کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار تھے اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت وقت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پجاری، مجاور، پیر،

فقیر حکومت کے ایجنٹ بن کر لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہوتا ہے۔ ملک ورعیت کا مالک ہے، اس کی زبان قانون ہے وہ جو بھی حکم صادر فرمائے تو دل و جان سے ماننا ہوگا، اس کی حاکمیت ہے اور اس کو رعایا کی جان ومال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ یہی دو چیزیں [انسانی الوہیت اور انسانی حاکمیت] ان کے گمراہی کی بنیادی اسباب تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

ایسے زمانے اور حالات میں ابراہیم علیہ السلام نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ خود پیروں اور پجاریوں کا گھرانا تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور پیر تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے اور پیر زادے کو ملا کرتی ہے۔ وہی گدی ابراہیم علیہ السلام کیلئے تیار تھی جو ایک پیر زادے اور گدی نشین کو وراثت میں ملتی ہے، جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے۔ وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے ان کا خاندان مستفید ہو رہا تھا ان کے لئے بھی حاضر تھے۔ اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لئے موجود تھے۔ اسی طرح دیوتاؤں اور درباروں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ بے علم، جٹ، ادنیٰ کسان اور مزدور سے لے کر بادشاہ، وزیر اور مشیر تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھنسا سکتے تھے۔ اسی اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا، نہ تو ان کو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی اور حق کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا سوائے اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام کے۔ ہوش سنبھالتے ہی ان کا یہ ایمان تھا اور من جانب اللہ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ یہ سورج، چاند اور تارے خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں، اور یہ نیک ہستیوں کے پتھر کے بت اور مجسمے جن کو انسان خود اپنے ہاتھ سے بناتا اور تراشتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم ہی جیسے انسان ہیں، آخر یہ خدا، حاجت روا، مشکل کشا اور حاکم اعلیٰ کیسے ہو سکتے ہیں جو بے چارے خود اپنے اختیار سے حرکت نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی قدرت نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، ان کے پاس کیا دھرا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے، ان سے حاجتیں مانگے، ان کی طاقت سے خوف کھائے اور ان کی

خدمت گاری وفرمانبرداری کرے۔ جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے۔ جب ان میں سے کسی نے مجھے نہ پیدا کیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری موت وحیات ہیں اور نہ نفع ونقصان، نہ کسی کے ہاتھوں میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں، تو پھر میں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں ان کے آگے بندگی و اطاعت میں سر جھکاؤں؟ اور ساتھ یہ اعلان کیا!

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

[انعام آیت:۷۹]

''میں نے سب سے منہ موڑ کر صرف اسی ذات کو عبادت وبندگی کے لئے خاص کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں۔''

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔ [ممتحنہ:۴]

ہم تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے دین وپروگرام کے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دائمی عداوت اور بیزاری ظاہر ہو گی جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک تم اللہ واحد پر ایمان لا کر موحد نہ بن جائے۔

مصائب:

یہ اعلان کرنا کیا تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ نے کہا میں عاق کر دوں گا اور گھر سے نکال باہر کروں گا۔ قوم نے کہا ہم میں سے کوئی تمہیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ مگر وہ یک وتنہا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی اور حق کے خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ اور قوم کے باطل دین کے خلاف آواز حق بلند کی اور بادشاہ کے طاغوتی نظام کو للکارا۔ آخر کار شاہی دربار میں فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے مضبوط دل رکھنے والا انسان اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لئے بھی تیار ہو گیا۔

ہجرت:

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے سے بچایا تو وہ اپنے گھر بار، عزیز واقارب

قوم اور وطن سب کو چھوڑ کر صرف اپنی بیوی اور ایک بھتیجے کو لے کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور فرمایا: اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ...الخ۔

جس شخص کے لئے اپنے گھر میں وہ گدی موجود تھی جو اس پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا، دولت و عزت دونوں جس کے قدم چومنے کے لئے تیار تھیں اور جو اپنی اولاد کو بھی اس فائدہ مند گدی پر مزے لوٹنے کے لئے چھوڑ سکتا تھا، اس نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے جلا وطنی اور بے سرو سامانی کی زندگی پسند کی۔ کیونکہ دنیا کے جھوٹے خداؤں کے جال میں پھنس کر خود مزے کرنا اسے گوارا نہ تھا اور اس کے مقابلے یہ گوارا تھا کہ ایک سچے اللہ اور سچے دین کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

وطن سے نکل کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اسی مسافرت کی زندگی میں ان پر کیا گزری ہوگی، مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہیں نکلے تھے اور باہر نکل کر اپنی روٹی کمانے کی فکر میں بھی نہیں پھر رہے تھے، بلکہ دن رات فکر تھی تو یہ کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ کا بندہ بنائیں۔

اسی خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپ اور اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اُسے اور کون برداشت کر سکتا تھا، کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی غیر اللہ کی دربار، مجاور، پیر، فقیر اور وہی خدائی کے مدعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان وہ مرد حنیف کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی اللہ کے سوا کسی کی خدائی ماننے کے لئے تیار تھا بلکہ دوسروں سے بھی اعلانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک آقا، حاکم، حاجت روا مشکل کشا نہیں؟ سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ الٹ دو اور صرف اس ایک کے بندے بن کر رہو۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے۔ کبھی کنعان کی بستیوں میں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہو گئے۔

اولاد:

آخیر عمر میں جب تقریباً ۹۰ برس پورے ہونے والے تھے اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی تو اللہ نے مہربانی فرما کر اولاد دی، لیکن اللہ کے اس جلیل القدر بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو کم از کم اپنے بچوں ہی کو دنیا کمانے کے قابل بناؤں اور ان کے دنیاوی مستقبل کا فکر کروں اور انہیں کسی ایسے کام پر لگا جاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے، نہیں، اسے بوڑھے عظیم مسلمان کو فکر تھی تو یہ کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اس نے اپنی عمر کھپادی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسی مشن کو پھیلاتا رہے۔ اسی غرض کے لئے وہ اللہ سے اولاد کا آرزو مند تھا اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے انہیں تیار کرے۔ اور انہیں یہی وصیت کی وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبَ..... الخ

اور چونکہ ابتدائے نبوت جب اللہ تعالیٰ نے اسے کہا تھا [اَسْلِمْ] اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے سپرد کرو، میرا ہو کر رہو تو آپ نے جواب میں کہا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [بقرہ:۱۳۱]

میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رب العالمین کا ہو گیا ہوں، میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے اس کے سپرد کر دیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی قول و اقرار کو ایک سچے بندے کی طرح تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھادیا۔ اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا اور دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا۔ اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں، ملک ملک کی خاک چھانی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لئے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔

آخری آزمائش:

مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر لوگ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ آیا یہ شخص دنیا کے ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتے ہیں؟ وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جبکہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی؟ اپنے اکلوتے بیٹے کو رب العالمین کی خاطر قربان کر سکتا ہے یا نہیں...؟ چنانچہ یہ آزمائش بھی ڈالی گئی، اور جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ

سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تب فیصلہ ہوا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچا کر دکھایا۔ اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا [بقرہ:۱۲۴]

اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اتر گیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ کو تمام انسانیت کا امام بناتا ہوں۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امامت عالم پر سرفراز کیا گیا اور وہ اسلام کی عالمگیر اور بین الاقوامی تحریک کے لیڈر اور امام بن گئے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی امامت عالم اور عالمی تحریک حنیفیت:

ابو الانس سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک تقریباً جتنے انبیاء نے کام کیا، قوم کو دعوت دی اور معاشرہ میں انقلاب برپا کرنے کی جو محنت کی وہ کام اور دعوت و انقلاب، قومی سطح پر دین کا کام، دعوت اور قومی انقلاب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ھود علیہ السلام، سیدنا صالح علیہ السلام، سیدنا شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو یا قوم، یا قوم کے الفاظ سے خطاب کر کے پکارا کیونکہ اُن کا دائرہ کار ہی قومی سطح کا تھا جبکہ دوسری طرف انسانی اجتماع [Society] کو ترقی دینے اور بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والوں میں جن بلند فکر اور عالی دماغ لوگوں نے حصہ لیا، ان میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بانی حیثیت اور خاص و بلند مقام حاصل ہے۔ آپ سے پہلے جن لوگوں نے انسانی اجتماعات کی رہنمائی کی، ان کا فکر اپنے مخصوص اجتماع (اپنی قوم) کی ترقی کو مرکز بنا کر کام کرتے رہے جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پہلے انسان اور پیغمبر ہیں جنہوں نے انسانیت عامہ کو اپنے فکر کا محور بنایا اور بین الاقوامی سطح پر انقلاب لانے کی ابتداء کی۔ اس حیثیت سے آپ امام الناس یعنی نوع انسانی کے لیڈر اور پیشواء کہلانے کے صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو حنیفیت کہتے ہیں، یہ دعوت کیا تھی؟ اس کو مختصر مگر جامع الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانیت کو دو لعنتوں سے بچانا چاہتے تھے جو آپ علیہ السلام کے زمانے تک پیدا ہو چکی تھیں۔

[۱] انسانی الوہیت (عبادت وبندگی)

[۲] انسانی ربوبیت (شہنشاہیت وانسانی حاکمیت)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اجتماع [Society] میں بعض اوقات خیانت دار قسم کا علمی طبقہ عوام کو علم عامہ سے محروم کر دیتا ہے اور خود علم کا اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس علمی اجارہ داری کے طفیل عوام پر خدائی کرتا ہے اور اپنی پیری اور تسلط جماتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام ان سرمایہ دارانہ علم کے محتاج بن کر علم اور روشنی سے دور رہ جاتے ہیں۔ دوسرا یہ خائن علمی طبقہ عوام کو طرح طرح حیلوں بہانوں سے لوٹتا ہے، تیسرا یہ کہ اس جہالت کی وجہ سے یہ پجاری، باطل پیر و باطل مذہبی رہنما عوام کو اپنی اور دیگر غیر اللہ کی عبادت وبندگی پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ سعادت اخروی اور اصلی دین پر غور کرنے کی استعداد بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی عبادت، بندگی، عاجزی، رکوع وسجود، قیام وقعود، نذر ونیاز، اللہ کے بجائے غیر اللہ کی ہو جاتی ہے اور ان کی جبین نیاز اوروں کے قدموں میں پڑتی ہے۔ یہ برہمنیت، پجاریت اور اسی قسم کی پیریت، انسانیت کیلئے بہت بڑی لعنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام انسانیت کو اس انسانی الوہیت سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اسی طرح انسانی سوسائیٹی میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو ملکی سیاست پر قبضہ کر کے اپنی خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات کو ترقی دینے والے اپنے خود ساختہ قوانین نافذ کرتے ہیں اور اسی طاقت کے بل بوتے پر اپنی رعایا سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں۔ یہ حالت بھی انسانیت کیلئے بہت بڑی لعنت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس کے بھی بہت مخالف اور اس طاغوتی قانون ونظام کے بہت بلند درجے کے باغی تھے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

[ممتحنہ: ۴]

غرض اس عظیم فکر کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام نے ایک طرف انسانی ربوبیت [شہنشاہیت، مطلق العنان بادشاہت] کا خاتمہ کر دیا تو دوسری طرف خدا شناسی کے علم کو عام کر کے برہمنیت کی اجارہ داری ختم کر کے انسانی الوہیت کا بھی خاتمہ کر دیا اور تمام انسانوں کو اللہ کی بندگی میں لا کر مساوات کے سٹیج پر کھڑا

کر دیا۔ اس طرح انسان اور انسانیت کا پایہ انہوں نے بہت بلند کر دیا۔ اب ان کو اسی عالمگیر تحریک کی اشاعت کے لئے ایسے آدمیوں اور نائبوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور ان کے خلیفہ و نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ لہٰذا اسی کام میں تین آدمی آپ علیہ السلام کیلئے قوت بازو ثابت ہوئے۔ ایک ان کے بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام جنہیں آپ علیہ السلام نے مشرق اردن کے علاقے سدوم میں بٹھایا۔ اسی علاقے سے ایران، عراق اور مصر کے درمیان آنے جانے والے سب تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ یہاں بیٹھ کر اسی علاقے کے ساتھ ساتھ دور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا اور وہ یہاں سے دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھ سکتے تھے۔

دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے سیدنا اسحاق علیہ السلام کو کنعان [فلسطین] کے علاقے میں آباد کیا۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جاسکتا تھا۔ یہیں سے سیدنا اسحاق علیہ السلام کے بیٹے سیدنا یعقوب علیہ السلام اور پوتے سیدنا یوسف علیہ السلام کی بدولت اسلام کی یہ عالمگیر تحریک مصر تک پہنچی۔

تیسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک اور صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں مکہ کے مقام پر رکھا اور ایک مدت تک خود ان کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسی عالمگیر اسلامی تحریک کی تعلیم پھیلائی۔ پھر یہیں دونوں باپ بیٹے نے عالمگیر بین الاقوامی اسلامی تحریک کا مرکز بھی تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور و معروف ہے۔

یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی جیسے مسجدیں ہوا کرتی ہیں بلکہ اول روز ہی سے اس کو دین اسلام کے عالمگیر اور بین الاقوامی تحریک کا مرکز تبلیغ و اشاعت قرار دیا گیا تھا اور اس کی غرض یہاں ایک خدائے واحد کی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک اللہ کو ماننے والے ہر جگہ سے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہوا کریں اور مل کر اللہ کی عبادت اجتماعی طریقے پر ادا کریں اور اسلام کی عالمگیر پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ اس بین الاقوامی مرکز میں اسلام کا عالمگیر اجتماع حج بھی اسی مقصد کے لیے ہوا کرتا ہے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ..... الخ

بہر حال حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق پہلے کنعان کی سرزمین سے اس عالمگیر فکر کی اشاعت و تبلیغ

شروع ہوئی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اس علم کو بلند کیا جن میں سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے الوالعزم نبی وداعی پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کو تورات جیسا بین الاقوامی قانون بھی عطا ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے بعد کے لوگوں کی دنیا پرستی، اصل مقصد سے غفلت اور درکار محنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ عالمی و بین الاقوامی تحریک قبائلیت و قومیت کی سطح سے اوپر نہ اٹھ سکی اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہیے تھی وہ نہ ہو سکی۔ الغرض اسرائیلی شاخ سے حنیفی [ابراہیمی] فکر کی جس قدر خدمت ہو سکتی تھی سو وہ ہو چکی اور ان میں اس فکر کو آگے بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی تو حکمت الٰہی نے ابراہیمی نسل کی دوسری شاخ بنی اسماعیل سے جو عرب میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل کر رہے تھے، یہ خدمت لینی چاہی اور ان کی رہنمائی کی خاطر انہی میں سے بہترین انسان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو منتخب کر کے ہدایت کا ذریعہ بنایا اور ان کو اس عالمی اور بین الاقوامی تحریک اور پروگرام کی تکمیل کیلئے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب اور قانون دی گئی جس میں انسانی انقلاب کا مکمل پروگرام موجود ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

[نحل:۱۲۳]

اس انقلابی اور عالمگیر پروگرام اور مشن کو آگے چلانے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک نہایت مضبوط، جان نثار جماعت تیار کی جس کی نظر بین الاقوامی بلکہ انسانیت گیر تھی۔ اسی بین الاقوامی جماعت کی تنظیم نہایت مستحکم طبعی اصولوں پر کی گئی جو رہتی دنیا تک انقلاب کی تکمیل میں مدد دیتی رہے گی۔ اسی طرح جماعت بنا کر کام کرنے کا نتیجہ یہ رہا کہ اس پروگرام کو چلانے والی حکومت اور ایک اسلامی ریاست مدینہ میں وجود میں آگئی، جس نے انسانیت عامہ کی ترقی میں معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور روحانی پہلوؤں کو برابر اپنے سامنے رکھا۔ اور اس بین الاقوامی فکر، حنیفیت (براہیمیت) کو ساری دنیا میں اشاعت اور اقامت کا حق ادا کیا۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

ایمانداری

ایمانداری کو بزنس میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اس کے بغیر تجارت چل نہیں سکتی۔

حالات حاضرہ

ایک امت۔۔۔ایک آسمان۔۔۔ایک چاند!

اور یا مقبول جان کی ایک فکر انگیز تحریر اور ایک طرح سے خلافت کا نوحہ!

اور یا مقبول جان

میں اکثر سوچتا ہوں کہ عین رمضان کے مہینے اور شوال کی عید کے دنوں میں ان لوگوں کی روحیں کس قدر خوش ہوتی ہوں گی، اپنی کامرانی پر ناز کرتی ہوں گی، جنہوں نے امت مسلمہ کو تقسیم کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ ڈیورنڈ لائن کے ایک جانب عید اور دوسری جانب روزہ، پاکستان کے شہر تفتان میں روزہ اور چند قدم دور ایران کے میر جادہ میں عید، اردن میں عید اور شام میں روزہ، سعودی عرب میں عید اور عراق میں روزہ۔ میں پہلے یہ سمجھتا تھا کہ یہ عید اور رمضان پر چاند کا اختلاف صرف پاکستان کا ہی خاصہ ہے لیکن 2005 میں برطانیہ اور 2007 میں ایران میں رمضان گزار کر مجھے اس امت مسلمہ کی بے بسی، کسمپرسی اور بیچارگی پر بہت ترس آیا۔ سب سے زیادہ حیرت تو مجھے برطانیہ کے مسلمانوں پر ہوئی جہاں ملک بھی ایک، مطلع بھی ایک، دیکھنے والے بھی ایک، لیکن کوئی دلیل لاتا ہے کہ چاند سعودی عرب میں نکل آیا ہے عید کرو، کوئی کہتا ہے کہ چاند ایران میں نکل آیا عید کرو، کوئی اردن اور کوئی انڈونیشیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو علماء کرام وہاں عید کی نماز پڑھاتے ہیں وہ ہزاروں میل دور چاند دیکھنے کی گواہی پر روزہ بھی رکھواتے ہیں اور عید بھی پڑھاتے ہیں لیکن جب یہ سب اپنے ملک میں ہوتے ہیں تو ہر ایک کو اپنا ملک، اپنا مطلع، اپنی گواہی اور اپنی رؤیت یاد آجاتی ہے۔

ملت اسلامیہ کو ملکوں میں تو کفار نے ایک سازش کے تحت تقسیم کیا اور ان کی لکیریں کھینچیں لیکن ہم نے ان حدود میں قید ہو کر جس طرح امت مسلمہ کو تقسیم کیا اس سے تمسخر ہمارے علماء کا اڑا، مذاق اور تضحیک کا نشانہ بھی وہی بنے۔ ایران میں ہماری طرح ایک رویت ہلال کونسل ہے۔ رمضان آیا تو 29 شعبان کے بعد لوگوں کو یوم شک کا روزہ رکھنے کے لیے کہا گیا جس کے بارے میں اعلان یہ تھا اگر دوپہر بارہ بجے تک چاند نظر آنے کا اعلان نہ ہوا تو روزہ توڑ دیا جائے۔ اگلے دن ساڑھے گیارہ بجے اعلان کیا گیا کہ چاند نکلنے کی

شرعی شہادتیں موصول ہوئی ہیں اس لیے آج پہلا روزہ ہے۔ میں گاڑی میں تہران شہر میں گھوم رہا تھا، ریڈیو پر اعلان ہوا، میرا ڈرائیور مسکرایا اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگا "ہمراہ آفتاب آمد" یعنی آج چاند سورج کے ساتھ ساتھ تشریف لایا ہے۔ یہ ایرانی حس مزاح کا ایک خاص پیرایہ تھا لیکن اس اعلان، اس طرح روزہ اور اس صورت پر میں جس جگہ بیٹھا، جس جگہ گیا، صرف زیر لب تبصرے تھے، مذاق تھا اور تمسخر تھا..... اور نشانہ علماء..... میں نے ان دونوں ملکوں میں لوگوں سے طرح طرح کے سوال کیے، سائنسدانوں سے ملا، مطلع کی بحث اور فقہ کی کتابیں کھنگالیں، لمبی لمبی طویل اور خشک بحثیں پڑھیں اور میں سوچنے لگا کہ یہ چاند کے اختلاف اور رؤیت اور علاقوں کی تقسیم پر امت میں اختلاف کا مسئلہ کب سے شروع ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب تک خلافت عثمانیہ کی مرکزیت قائم تھی یا مسلمان اسے مرکز کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے، پوری امت میں ایک دن عید اور ایک دن روزہ ہوتا تھا۔

اس زمانے میں لکھے گئے مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سفر ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ عرب اور ہندوستان میں چاند کی ایک تاریخ چلتی تھی۔ مولانا سید محمد میاں نے اسیر ان مالٹا کے نام جو سفر نامے ترتیب دیے ہیں ان میں بھی حجاز اور ہندوستان میں ایک ہی تاریخ کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یورپی طاقتوں نے جب مسلمانوں کو نسل، رنگ اور زبان کی بنیاد پر اس طرح تقسیم کیا جیسے میز پر رکھ کر کیک کاٹا جاتا ہے اور ہر ایک کی اپنی اپنی سلطنت وجود میں آئی اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ مطلع، علیحدہ علیحدہ چاند اور علیحدہ علیحدہ عید، سب کا علیحدہ علیحدہ حج، علیحدہ علیحدہ یوم عرفات جس میں اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے، اور علیحدہ علیحدہ لیلۃ القدر، اگر میرے اللہ کو یہی مقصود اور مطلوب ہوتا تو وہ قرآن پاک میں لیلۃ القدر یعنی قدر والی رات کی جگہ لیلات القدر یعنی قدر والی راتوں کا ہی تذکرہ کر دیتا کہ مسلمانوں کو ان راتوں کی برکتوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع مل سکے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اس مسئلے پر اختلاف کا عالم تو ہماری فقہ میں نظر نہیں آتا۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مطالعہ کریں تو وہ مشہور حدیث جسے بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ: "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر بادل چھائے ہوں تو شعبان کی گنتی پوری کرو" یعنی چاند دیکھنا ضروری ہے جسے رؤیت کہتے

ہیں۔ اسی رؤیت کی بنیاد پر امت کا اختلاف غیروں کی ہنسی کا باعث ہے۔ یہ چاند اندھے، ضعیف العمر، قیدی، بچے، مسافر اور بہت سے لوگ نہیں دیکھ پاتے تو کیا ان پر روزہ فرض نہیں ہوتا۔ فرض ہوتا ہے لیکن دوسروں کی شہادت کی بنیاد پر جنہوں نے چاند دیکھ لیا۔ اب اس ایک شہادت یا دو شہادتوں یا کئی شہادتوں کو ایک ملک کی حدود تک کس نے محدود کر دیا۔ حدود بھی وہ جو یورپی مشرک قوتوں نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے بنائی تھیں۔ اس شہادت کا اطلاق ڈیورینڈ لائن پر آکر کیسے رک جاتا ہے؟۔ ایران میں شہادت کا اطلاق زاہدان پہنچ کر کیوں ختم ہو جاتا ہے۔ کیا امت مسلمہ کی حد اور اللہ تعالیٰ کے چاند کی حدیں بھی اسی طرح بانٹی ہوئی ہیں۔ ترمذی اور سنن ابو داؤد میں جو مشہور حدیث درج ہے کہ: ''ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلال! اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔'' اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اعرابی سے نہ اس کا علاقہ دریافت کیا اور نا فاصلہ پوچھا بلکہ صرف مسلمان ہونے کی گواہی لی اور اس گواہی کی بنیاد پر سب کو روزہ رکھنے کو کہہ دیا۔ نہ اختلاف مطلع کی بات ہوئی اور نا دوری اور نزدیکی کی۔

فقہ کی تمام کتب کو دیکھنے کے بعد میں حیرت میں گم ہو جاتا ہوں کہ یہ سب تو ایک امت اور ایک خیال کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں۔ احناف میں الہدایہ اور الدر المختار میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ اہل مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت دلیل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: ''اگر اہل مغرب چاند دیکھ لیں تو اہل مشرق پر روزہ فرض ہو جاتا ہے''۔ مالکیوں کی کتابوں بدایۃ المجتہد، مواہب الجلیل اور قاضی ابو اسحاق نے ابن الماجشون میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر لوگوں کے بتانے سے یہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے ملک والوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو روزے کی قضا واجب ہو جائے گی۔ یہی کچھ شافعیوں کے ہاں المغنی اور حنابلہ کے ہاں الاتحاف میں درج ہے۔ ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ اگر امت میں کسی ایک جگہ چاند نظر آجائے، گواہ عادل ہوں تو پوری امت پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قول ہے جو عین سائنس کے اصولوں کے مطابق ہے۔ ہر چاند 29 دن 12 گھنٹے 28 سیکنڈ کے بعد اس دنیا کے مطلع پر طلوع ہوتا ہے۔ جس جگہ بھی وہ طلوع ہوا اگر وہاں کوئی مسلمان اسے دیکھے اور آج کے ذرائع ابلاغ کے دور امن میں پوری دنیا پر نشر ہو تو سب کو اطلاع ہو سکتی ہے۔

پوری دنیا کا آپس میں اوقات کا فرق 12 گھنٹے نفی اور 12 گھنٹے جمع ہوتا ہے اور مسلم اُمہ کی اکثریت مراکش سے انڈونیشیا تک صرف چھ سات کے ٹائم زون میں رہتی ہے۔ اب جب چاند ایک مقام پر ایک دفع طلوع ہو گیا تو وہی اول یا پہلی کا چاند ہے جو اپنا سفر جاری رکھتا ہے لیکن ہمیں نظر نہیں آتا۔ 29 دن اور 12 گھنٹے میں سے اس کا ایک دن کم ہو جاتا ہے۔ اگلے دن جس مطلع پر بھی نظر آئے وہ اپنی عمر سے ایک دن کم کر چکا ہو گا۔ مگر کمال ہے ہمارا کہ ہم اس کے تین بلکہ بعض دفعہ چار دن گزرنے کے بعد بھی اسے پہلی کا چاند، ہلال عید ہی کہتے ہیں اور پوری دنیا ہمارا تمسخر اڑاتی ہے۔

ہم قبلے کا رخ مقناطیسی سوئی سے کرتے ہیں اور سب اس پر متفق ہوتے ہیں۔ نمازوں کے اوقات کا تعین سورج کے سائنسی اعداد و شمار پر کرتے ہیں لیکن پوری امت مل کر ایک ایسا طریقہ کار وضع نہیں کرتی کہ مشرق و مغرب میں جس جگہ بھی پہلے چاند دیکھا جائے اس کا اطلاق پوری امت پر کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اُمت کی حدود نا تو طور خم پر ختم ہوتی ہیں اور نہ تفتان سے شروع ہوتی ہیں۔ کیا اسلامی ملکوں کی تنظیم جسے ایک خاموش اور مردہ تنظیم کی حیثیت حاصل ہے اپنے وسائل سے مراکش سے لے کر برونائی تک چاند کی رؤیت کا اہتمام نہیں کر سکتی تاکہ مسلمانوں کی بیک وقت عید ہو، رمضان شروع ہو، ایک لیلۃ القدر ہو، ایک یوم عرفات اور یوم حج ہو، یہ وہ واحد نقطہ ہے کہ اگر صرف ایک نقطے پر عمل کر لیا گیا تو دیکھنا کیسے اس امت میں افتراق ڈالنے والا مغرب بے چین ہو گا، اس کی راتوں کی نیند حرام ہو گی۔

لیکن کیا کریں ہماری تو دکانیں اختلاف سے سجتی ہیں۔ ہم برطانیہ میں ایک مطلع اور ایک ملک ہونے کے باوجود تین تین عیدیں پڑھاتے ہیں۔ ہمیں اپنے اپنے ملک کی رؤیت ہلال کمیٹیاں عزیز ہیں۔ ہم کسی دوسرے ملک کے چاند کو اس لیے امت مسلمہ کا چاند نہیں مانتے کہ وہاں کا مسلک ہمارے مخالف ہے حالانکہ چاند تو میرے رب کا ایک ہے، ساری کائنات کے لیے، سارے مسلمانوں کے لیے، ہم کتنے ظالم ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے مانتے ہیں لیکن چاند اپنے مطلع پر طلوع کرتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام مطلع مغربی استعمار نے ہمارے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں.....!

جھوٹ

جھوٹ بول کر آپ ایک بار اپنی پروڈکٹ تو بیچ لیں گے، مگر اس گاہک، بلکہ کئی گاہکوں کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھیں گے۔

گوشہ خواتین

بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے محفوظ گھر کون سا ہے؟

انجینئر نوید قمر
ڈائریکٹر (FEEL) پاکستان

ایک ایسا گھر کہ جہاں:

- بچے گھر کی نوے فیصد چیزوں کو چھو سکتے ہوں۔ تجربہ کر سکتے ہوں۔ (دس فیصد میں وہ چیزیں شامل ہیں کہ جو بچے کی زندگی یا صحت کے لیے نقصان دہ ہیں مثلاً بجلی کے سوئچ، چولہا، تیز دھار چھری، نوکیلے کونے وغیرہ۔)
- بچے آزادی سے کھیل سکتے ہوں۔ مرضی کے کھیل ایجاد کر سکتے ہوں۔
- بچوں کو اُنکی مثبت سرگرمیوں پر نوٹس کیا جاتا ہو۔
- بچوں کی بات غصے میں آئے بغیر سنی جاتی ہو۔
- انہیں مُسکراتی ماں اور مشفق باپ میسر ہو۔
- بچوں کو اچھا خاصا وقت دیا جاتا ہو۔
- بچوں کے "گند" mess کو خوشی سے برداشت کیا جاتا ہو۔
- انکے شور شرابے پر غصہ نہ کیا جاتا ہو۔
- انکی شرارتیں اچھی لگتی ہوں۔
- ہر وقت ہدایات نہ دی جاتی ہوتی ہوں کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔
- گھر کے دیگر افراد ایک دوسرے پر چیختے چنگھاڑتے نہ ہوں۔
- بچوں کی عزت ایسے ہو کہ جیسے وہ بڑی شخصیت ہوں۔
- اُنہیں زبردستی کاموں کے لیے تیار نہ کیا جاتا ہو اور نہ لالچ کے ذریعے بہلا پھسلا کر۔
- بچے مشورہ مانگیں تو دیا جاتا ہو اور مشورہ قبول نہ ہونے پر برا نہ منایا جاتا ہو۔

- بچوں کے لیے دلچسپ کتابیں ہوں مگر انہیں پڑھنے کے لیے مجبور نہ کیا جاتا ہو۔
- انہیں زبردستی سکول نہ بھیجا جاتا ہو۔
- وہ اپنی ماں اور باپ وغیرہ کو مثبت سرگرمیوں میں مصروف دیکھتا ہو۔ مثلاً کتابیں پڑھتے، قرآن پڑھتے، آپس میں باتیں کرتے، لکھتے، کھیلتے وغیرہ۔
- ٹی۔وی نہ ہو دیگر سکرین کا استعمال بھی نہ ہونے کے برابر ہو جیسے موبائل وغیرہ۔
- گھر میں مادی چیزوں کی محبت نہ ہو اور نہ اس پر بات کی جاتی ہو۔ مہنگی چیزوں کے خریدنے کی خواہش نہ ہو۔
- اکثر گھومنے پھرنے جایا جاتا ہو اور وہ بھی فطری خوبصورتی کی جگہوں پر۔
- بے پناہ محبت ملتی ہو۔ بوسہ کرنا، گلے لگانا، بچوں کی باتیں سننا وغیرہ۔
- بچوں پر اعتماد کیا جاتا ہو۔ شک کا مرض نہ ہو۔
- بچوں کی غلطیوں پر برا نہ منایا جاتا ہو۔
- بچوں کو دھمکیاں نہ دی جاتی ہوں۔
- ان کا محلے کے دوسرے بچوں سے، ان کے کزنز یا آپس میں موازنہ نہ کیا جاتا ہو۔ ہر بچے کے مختلف ہونے کو سراہا جاتا ہو۔
- بچوں سے ہونے والے نقصان پر دل گرفتگی نہ ہوتی ہو بلکہ یہ سوچا جاتا ہو کہ بچوں نے اپنی غلطیوں سے کیا سیکھا؟
- امی اور ابو کے باہمی تعلقات شاندار ہوں۔
- بچوں کی شکایتیں اُن کے ابو سے بچوں کے سامنے نہ لگائی جاتی ہوں۔
- صحت مند غذا کا استعمال ہو اور مصنوعی خوراک سے پرہیز کیا جاتا ہو۔
- بچوں کو بڑوں کی مجلس میں بیٹھنے کا بھرپور موقع دیا جاتا ہو۔
- بچوں پر کسی قسم کا خوف نہ ہو (بڑے ہونے پر صرف اللہ کا خوف ہو)۔
- بچوں کے سوالات پر انہیں مطمئن کیا جاتا ہو۔

- بچوں کی دوستیوں پر حوصلہ افزائی کی جاتی ہو۔
- ایک صحت مند، سرگرم، خوش ماں ہر وقت بچے کے لیے میسر ہو۔ بیمار مائیں بچوں کو بیمار کر دیتی ہیں۔
- گھر کے کاموں کی نہیں بلکہ بچوں کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہو۔
- بچے کا باپ بچوں کا گہرا دوست ہو۔
- مہمانوں کے سامنے بے عزتی نہ ہوتی ہو۔ اور نہ مہمانوں کی خاطر انہیں روٹین سے ہٹ کر ہدایات دی جاتی ہوں۔
- اپنے والدین سے بچے شکریہ، معذرت، ان شاء اللہ، الحمدللہ، السلام علیکم، مجھے تم سے محبت ہے جیسے الفاظ بکثرت سنتے ہوں۔
- اعلیٰ خیالات زیر بحث آتے ہوں۔ لوگوں کی غیبتیں نہ ہوتی ہوں۔
- رشتے داروں کے ہاں آنا جانا ہو۔
- گھر میں سامان کم اور کتابیں زیادہ ہوں، لکھنے / آرٹ والی چیزیں، بکثرت ہوں، کھیل کا سامان وافر ہو۔
- بچوں کو علمی مجالس میں لے جایا جاتا ہو۔
- گھر کا مسجد سے تعلق گہرا ہو۔
- رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اُٹھنے کا ماحول ہو۔
- والدین اپنی تربیت کے لیے کسی علمی حلقے، صاحب علم یا مربی سے جڑے ہوئے ہوں۔
- بچوں کی خودی، عزت نفس اور انا محفوظ ہو۔
- بچوں کی بات کو بڑوں کی طرح اہمیت دی جاتی ہو۔
- دنیا کی فکر نہ ہو، آخرت کی تیاری ہو لیکن حکمت سے۔
- گھر تنگ گلیوں کی بجائے کسی کشادہ جگہ پر ہو لیکن آوازوں، دھویں وغیرہ آلودگی سے دور ہو، رات کو صحن یا چھت سے تارے نظر آتے ہوں۔
- گھر میں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی آتی ہو۔
- گھر میں بکثرت پودے ہوں اور بچوں کو کیڑے مکوڑوں سے کھیلنے پر آزادی ہو۔

- والدین بچوں سے بات بات پر ضد نہ لگاتے ہوں۔
- گھر میں اچھے خواب دیکھے جاتے ہوں اور بچوں کے خوابوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہو اور بڑے خوابوں (Visions) پر گفتگو ہوتی ہو۔
- گھر میں شور نہ ہو چیزوں کا اور نہ انسانوں کا (بچے کی باتیں شور نہیں ہوتیں)۔
- گھر میں پر تعیش ماحول نہ ہو مثلاً صوفے، اے سی، قیمتی ڈیکوریشن پیس، شیشے کی میزیں وغیرہ۔
- بچے گھر کے کاموں میں حصہ لیتے ہوں۔
- شجاعت بہادری کے کام بچوں کو دکھائے جاتے ہوں اور انہیں کرنے کی ترغیب دی جاتی ہو۔
- بچوں کے سامنے فکر معاشی باتیں نہ ہوتی ہوں۔
- بچوں کو کہانیاں سنائی جاتی ہوں اور بچوں کی کہانیاں سنی جاتی ہوں۔
- گھر میں سادگی کا ماحول ہو۔
- بچوں کے بات نہ ماننے پر غصہ نہ کیا جاتا ہو بلکہ یہ سوچا جاتا ہو کہ ایسا کیوں ہے؟
- بچے گھر میں یہ الفاظ نہ سنیں "جلدی کرو" "لوگ کیا کہیں گے" "تم بڑے کب ہو گے" "خاموش ہو جاؤ"۔
- بچوں کی ہر وقت نگرانی نہ ہوتی ہو۔
- اللہ تعالیٰ کی صفات کا تصور ابتدائی عمر سے دیا جاتا ہو۔

زندگی کی قیمت ابھی سے لگائیں۔

ندی کے کنارے ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا وہاں سے ایک آدمی کا گزر ہوا تو اس نے فقیر سے پوچھا" جناب کس کے انتظار میں ہیں"

فقیر نے کہا" مجھے اس پار جانا ہے مگر چاہتا ہوں کہ ندی کا سارا پانی گزر جائے تو میں پار ہو جاؤں۔"

سننے والے نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:" جناب یہاں بیٹھے آپ کی ساری زندگی تو ختم ہو سکتی ہے مگر ندی کا سارا پانی ختم نہیں ہو سکتا!"

تب اس دانا اور عقل مند فقیر نے کہا" بھائی صاحب یہی بات تو میں ان لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہوں جو کہتے ہیں کہ گھر کی ذمہ داریاں ختم ہو جائیں، بیٹی کی شادی ہو جائے، یہ ہو جائے، وہ ہو جائے اور کچھ نہیں تو کہتے ہیں کہ کل سے نماز پڑھ لوں گا، آئندہ حج کر لوں گا۔ بھائیو! زندگی ختم ہو جائے گی مگر زندگی کے مسائل ختم نہیں ہوں گے۔ اس لیے کل کے دھوکے سے باہر آئیں، رب کو راضی کریں زندگی کی قیمت کل سے نہیں ابھی سے لگائیں۔"

گوشہ خواتین

گھر کی اصلاح

سید حامد علی

انسان کے بیوی بچے اس کی عزیز ترین متاع ہوتے ہیں۔ دنیا میں اُس کی بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اس کے متعلقین پھلیں پھولیں۔ وہ دکھ اٹھاتا ہے کہ یہ سکھ پائیں، وہ دن رات دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ انہیں آرام وسکون ملے، وہ اپنی زندگی کی قوتیں نچوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے گھر کے لوگ زندگی کی کامرانیوں سے ہم کنار ہوں، وہ اپنے مال، اپنے اوقات اور اپنی جان کو بے تامل ان پر نثار کر دیتا ہے اور کیوں نہ کرے، اسے ان سے شدید محبت ہوتی ہے۔

یہ بات اگر صحیح ہے اور بلاشبہ صحیح ہے تو پھر یہ بات بھی صحیح ہے کہ بندۂ مومن اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر تنہا راہِ حق پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ وہ اس بات کی کوشش کرنے پر فطرتاً مجبور ہے کہ اس کے گھر کے لوگ بھی اللہ کے مخلص بندے بن جائیں۔ جس دین کو اس نے حق اور دنیا و آخرت کی کامرانی کا ضامن سمجھا ہے اسے بھی اپنالیں، جس خدا کو راضی کرنے میں وہ صبح و شام مصروف ہے اسے راضی کرنے میں وہ بھی لگ جائیں تاکہ وہ بھی رحمتِ خداوندی کے مستحق ہو جائیں، جس جہنم سے بچنے کی وہ رات دن فکر کرتا ہے اس سے وہ بھی دور رہیں اور جس جنت کا وہ شیدائی ہے اس کے وہ بھی شیدائی بنیں تاکہ جب اللہ کی عدالت سے اسے جنت کی بشارت ملے تو اس کے گھر والوں کو بھی ملے اور وہ سب مل جل کر جنت کی لازوال اور بے پایاں نعمتوں سے شادمان ہو سکیں۔ وہ اپنے رب سے بار بار دعا کرتا ہے:

- رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا [الفرقان: ۴۲]

''اے ہمارے رب، ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا و سربراہ بنا۔''

یعنی ہمارے گھر کے لوگ دین کے سچے پیرو اور حق کے مخلص فدائی ہوں، ان کی خدا ترسی اور

دینداری سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ہمارا گھر متقیوں کا گھر ہو اور ہم اس گھر کے سربراہ۔

قرآن مجید میں گھر کے لوگوں کی اصلاح پر اس طرح زور دیا گیا ہے:

- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [التحریم:٦]

''اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جس پر ایسے فرشتے تعینات ہیں جو درشت خو اور سخت ہیں۔ اللہ نے انہیں جو حکم دیا ہے اس کے خلاف نہیں کرتے اور جو حکم ملتا ہے اسے کر گزرتے ہیں۔''

آیت سے واضح ہوا کہ اپنی اصلاح کے ساتھ گھر کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش بندہ مومن کی ذمہ داری ہے۔ اگر اس کی اپنی کوتاہی کے نتیجہ میں اس کے گھر کے لوگ بگڑے اور جہنم کے عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ اللہ کے حضور جوابدہی سے نہ بچ سکے گا۔ حدیث میں ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ۔

[بخاری، مسلم]

''تم میں سے ہر آدمی ذمہ دار و نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔۔۔ تو مرد اپنے گھر کے لوگوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں بازپرس ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں بازپرس ہوگی۔''

حضرت محمد ﷺ نے نبوت پانے کے بعد سب سے پہلے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کو اپنی بعثت کی خبر سنائی، وہ نہ صرف یہ کہ فوراً ایمان لے آئیں بلکہ اپنی رفاقت، اپنی سمجھ بوجھ اور اپنی دولت کے ذریعہ آپ کے لیے بہترین سہارا بنیں۔ آپ کی سب صاحبزادیاں بھی آپ پر ایمان لائیں اور اسلام کی بہترین پیرو کار ثابت ہوئیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

- وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ [الشعراء ۲۱۴]

''اپنے قریبی اہل خاندان کو (عذاب الٰہی) سے ڈراؤ۔''

تو آپ ﷺ نے فوراً اس کوشش کا آغاز کر دیا۔ حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا صَفِیَّةَ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَیَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ [بخاری، مسلم]

''ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت ''وانذر عشیرتک الاقربین'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے قریش کو بلایا تو عام اور خاص، سب لوگ جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچاؤ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے بنی عبد مناف میں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہ! رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے فاطمہ، محمد ﷺ کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا''

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے متعدد عورتوں سے شادی کی۔ یہ سب مخلص صاحب ایمان تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے تحت دین کی پیروی و خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ ایک بار آپ ﷺ کچھ دنوں کے لئے ان سے الگ تھلگ رہے اس مدت کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا [الاحزاب:۲۸-۳۵]

''اے نبی اپنی بیویوں سے کہو، اگر تمہارا مقصود حیات دنیا اور اس کی زینت ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور خوبصورتی سے تمہیں رخصت کر دوں لیکن اگر تمہارا مقصود اللہ ہے، اس کا رسول اور دار آخرت ہے تو اللہ نے تم میں سے نیکو کار عورتوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ﷺ کی عورتو! تم میں سے جو کوئی کھلا ہوا بے حیائی کا کام کرے گی اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی تابع فرمان رہے اور نیک کام کرے اسے ہم دوگنا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے باعزت سامان زیست تیار کر رکھا ہے۔

''اے نبی ﷺ کی بیویوں! تم ایسی ویسی عورتیں نہیں ہو۔ تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو لوچ دار بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہے اسے کچھ لالچ ہو جائے۔ اور شریفانہ باتیں کرو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت اولیٰ کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور سب معاملات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اے نبی ﷺ کی گھر والیو! اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے (گناہ) کی ناپاکی کو دور کرے اور تمہیں بالکل پاک وصاف کر دے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو بلاشبہ اللہ باریک بین اور باخبر ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات ازواج مطہرات کو ایک ایک کر کے سنائیں اور سب نے ان آیات کے مطابق عمل کرنے اور رسول ﷺ کی صحبت میں رہ کر خود کو دین کی خدمت کے لیے تیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور بعد کے زمانے نے بتایا کہ آپ کی ازواج مطہرات نے دین کو سمجھنے، اسے جذب کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی ترجمانی کرنے کا حق ادا کیا۔

یہ آیات بتاتی ہیں کہ ایک بندہ مومن کے گھر کی عورتوں کو کیسا ہونا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج سب مسلمان عورتوں کے لئے اسوہ ہیں اور اللہ نے ان کو جو پروگرام دیا ہے وہ فی الواقع سب مسلمان عورتوں کے لیے ہے، چنانچہ ان آیات کے فوراً بعد سچے مومن مردوں اور سچی مومن عورتوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں۔

- اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَہُمۡ

وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا [الاحزاب:۳۵]

''اسلام لانے والے مرد اور اسلام لانے والی عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، خدا کی اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں راستباز مرد اور راستباز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار رکھا ہے۔''

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں عورتوں کو مردوں سے پیچھے نہ رہنا چاہیے۔ یہ آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ اہل ایمان اپنے گھر کی عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو کن صفات کا حامل بنائیں اور کس نہج پر ان کی تربیت کریں۔

اولاد کی تربیت کن خطوط پر کی جائے، اس کا بہترین نمونہ حضرت لقمان کی نصیحت ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی اور قرآن مجید نے اس کو ذکر کیا:

- وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ [لقمان:۱۳-۱۹]

''اور دیکھو لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقیناً شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں تاکید کی، اس کی

ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور بچہ کا دودھ دو سال میں چھوٹتا ہے۔ یہ تاکید کی کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، میرے ہی پاس تو لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر ماں باپ اس بات کی جدوجہد کریں کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہراؤ جن کا تمہیں علم نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان سے شریفانہ برتاؤ رکھنا اور اس شخص کے راستہ پر چلنا جو میرے آگے جھک گیا ہے پھر تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔

اے میرے پیارے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں بھی ہو، اللہ اسے سامنے لے آئے گا۔ بلاشبہ اللہ باریک بین اور باخبر ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کر۔ یقیناً یہ اولوالعزمی کے کام ہیں اپنا گال لوگوں کے سامنے نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل۔ اللہ اترانے والے، شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا۔ چال میں میانہ روی اختیار کر، اور آواز کو پست رکھ، بلاشبہ گدھے کی آواز سب سے زیادہ کریہ آواز ہے۔

نمازِ وتر میں مسنون قراءت

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ سلام پھیر لیا کرتے تو 3 بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ پڑھا کرتے تھے۔

(سنن الترمذی، 1728، باب قرأة فی الوتر، و صححه الالبانی)

انفاق في سبيل الله

ایک روٹی اور سات راتیں

محمد طارق نعمانی

حضرت سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت سیدنا ابو موسیٰؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر فرمایا: "میں تمہیں "صاحب الرغیف" یعنی روٹی والے کا قصہ سناتا ہوں، اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ پھر فرمایا: ایک عابد شخص اپنی جھونپڑی میں لوگوں سے الگ تھلگ عبادت کیا کرتا تھا وہ ستر سال تک اسی جھونپڑی میں رہا۔ اس عرصہ میں کبھی بھی اس نے عبادت کو ترک نہ کیا اور نہ ہی کبھی اپنی جھونپڑی سے باہر آیا۔ پھر ایک دن وہ جھونپڑی سے باہر آیا تو اسے شیطان نے ایک عورت کے فتنے میں مبتلا کر دیا اور وہ سات دن راتیں اسی عورت کے ساتھ رہا۔ سات دن کے بعد جب اس کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹا تو وہ اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی، اور وہاں سے رخصت ہو گیا وہ اپنے اس فعل پر بہت نادم تھا، اب اس کی یہ حالت تھی کہ ہر ہر قدم پر نماز پڑھتا اور توبہ کرتا پھر ایک رات وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں بارہ مسکین رہتے تھے، وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ ان مسکینوں کے قریب گر پڑا۔

ایک راہب ان بارہ مسکینوں کو روزانہ ایک ایک روٹی دیتا تھا۔ جب وہ راہب آیا تو اس نے روٹی دینا شروع کی اور اس عابد کو بھی مسکین سمجھ کر ایک روٹی دے دی۔ ان بارہ مسکینوں میں سے ایک کو روٹی نہ ملی تو اُس نے راہب سے کہا کہ آج آپ نے مجھے روٹی کیوں نہیں دی؟

راہب نے جب یہ سنا تو کہا: میں تو بارہ کی بارہ روٹیاں تقسیم کر چکا ہوں۔ پھر اُس نے مسکینوں سے مخاطب ہو کر کہا: کیا تم میں سے کسی کو دو روٹیاں ملی ہیں؟ سب نے کہا: نہیں ہمیں تو صرف ایک ایک ہی ملی ہے۔ یہ سن کر راہب نے اس شخص سے کہا: شاید تم دوبار روٹی لینا چاہتے ہو، جاؤ آج کے بعد تمہیں روٹی نہیں ملے گی

جب اس عابد نے یہ سنا تو اسے اس مسکین پر بڑا ترس آیا، چناں چہ اس نے وہ روٹی مسکین کر دے دی اور خود بھوکا رہا اور اسی بھوک کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

جب اس کی ستر سالہ عبادت اور غفلت میں گزری ہوئی سات راتوں کا وزن کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزاری ہوئیں راتیں اس کی ستر سالہ عبادت پر غالب آگئیں۔ پھر جب ان سات راتوں کا موازنہ اس روٹی سے کیا گیا جو اُس نے مسکین کو دی تھی تو وہ روٹی ان راتوں پر غالب آگئی اور اس کی مغفرت کر دی گئی۔

معلوم ہوا صدقہ اللہ کی نظر میں بڑی قدر والی چیز ہے اور حق والوں کو ان کا حق دینا کتنا کمال رکھتا ہے، اللہ پاک ہمیں بھی ہر قسم کے حقوق ادا کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

صفائی اور اسلام

نصف ایمان

انجینئر عادل شاہ
انچارج شعبہ ایمانیات جامعہ تبلیغ القرآن پشاور

ترقی یافتہ ممالک کے دوروں سے واپسی پر ہمارے ہم وطن بھائی اکثر یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ واہ جی واہ کیا بات ہے، ان ممالک کی وہاں ہر چیز شیشے کی طرح چمک رہی ہوتی ہے اور دور دور تک گندگی کا نشان بھی نظر نہیں آتا ہر چیز صاف ستھری محسوس ہوتی ہے، اتنی صفائی دیکھ کر تو ہمارے دماغوں میں بھری گندگی بھی صاف ہونا شروع ہو جاتی ہے مگر جونہی ہم اپنے وطن واپس آتے ہیں، ہم اپنے ہم وطن بھائیوں کو تبدیل کرنے کی بجائے خود دوبارہ انہی کی طرح بدل جاتے ہیں یعنی اپنی پہلی والی گندگی میں واپس آجاتے ہیں۔

ہم ویسے بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں کہ کوئی چھلکا یا بے کار چیز اٹھا کر کسی ڈسٹ بن (کوڑادان) میں ڈال دیں۔ اول تو ہمیں ایسا کرنے کے لئے ایک آدھ ملازم چاہئے ہوتا ہے لیکن اگر ملازم ساتھ بھی ہو تو پھر بھی ہم چھلکا سڑک پر پھینکنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم کہیں بھی کوئی چیز کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہاں کا فرش گندگی سے بھر دیتے ہیں۔ ہم اپنی خوراک کے لیے تو تین سے چار پلیٹیں استعمال کرتے ہیں مگر ہڈیاں یا چھلکے رکھنے کے لیے ایک پلیٹ استعمال کرنا گوارا نہیں کرتے حالانکہ ایک ہی میز پر پانچ افراد صرف ایک پلیٹ بچانے کی خاطر سارا فرش گندا کر دیتے ہیں۔ دراصل وہ پلیٹ بچا نہیں رہے ہوتے بلکہ اپنی انتہائی سستی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اور اس طرح اپنی مذہبی، اخلاقی اور قومی ذمہ داری سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنا عرصہ ملک سے باہر رہنے کے باوجود ہمارا حکمران طبقہ اس بات پر بالکل بھی توجہ نہیں دیتا کہ کس طرح وہ صفائی کو ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بنا کر دنیا کے برابر پہنچ سکتے ہیں۔ ہماری بیوروکریسی کا یہ عالم ہے کہ ان کے گھروں میں بلدیہ کا سارا صفائی والا عملہ تعینات ہوتا ہے جو ان کے گھروں کی صفائی کر کے کوڑا کرکٹ سڑکوں پر پھینک دیتا ہے تاکہ عوام کے لئے سندر رہے۔

سب سے زیادہ افسوسناک کردار ہمارے مذہبی رہنما ادا کرتے ہیں وہ اسلام کی تعلیمات اور نصف ایمان کو ایک سائیڈ پر رکھ کر اپنی جیب اور پیٹ بھرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ کسی بھی مسجد کا باتھ روم دیکھ لیں انتہائی تنگ اور گندگی سے بھرا ہوتا ہے، مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ جس باتھ روم کا دروازہ اور دیواریں گندگی سے بھری ہوں وہاں سے انسان اپنے کپڑوں او جسم کو گندگی سے کس طرح بچا سکتا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ وضو کرنے سے پہلے اگر ہم باتھ روم جائیں تو بدبو ہمارے دماغوں کے کونے کونے میں داخل ہو جائے، ہم بیٹھیں تو پانی کے چھینٹے ہمارے جسم اور کپڑوں پر پڑیں، ہمارے کپڑے اور جسم باتھ روم کی گندگی سے بھری دیواروں اور دروازوں سے رگڑ کھائیں۔ کیا اس کے بعد ہم وضو کرنے کے قابل رہ جاتے ہیں۔ اور وضو خانے کی حالت بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اس کو بھی ہم مسجد سے باہر کا حصہ سمجھ کر صفائی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمارے علماء جو ان مسجدوں کے انچارج امام اور مؤذن ہیں اس طرف بالکل بھی دھیان نہیں دیتے، جیسے یہ مذہب کا معاملہ ہی نہیں ہو۔

گندگی کی وجہ سے پھیلنے والی بیماریوں کا تدارک کرنے کی بجائے اسے اپنی بری قسمت سمجھ کر مزید پھیلنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہمیں ڈینگی وائرس جیسے عذاب کی صورت میں ملتا ہے۔ جو لوگ اپنے گھروں کو نہیں صاف رکھ سکتے وہ اپنے گلی، محلے، شہر یا ملک کی کیا صفائی کریں گے۔ نہ جانے ہم کب تک دوسروں کو مرتا اور بیمار ہوتا دیکھتے رہیں گے اور خود آگے بڑھ کر ان کی بلکہ اپنی بھی مدد کرنے کے معاملے میں سست رہیں گے اور جب ہمیں مچھر کاٹ لیتا ہے تو پھر ساری صفائیاں یاد آجاتی ہیں، لوگوں کی خامیاں اور حکمرانوں کی ناکامیاں یاد آجاتی ہیں۔ ہمیں اپنے رشتہ داروں، عزیز و اقارب اور ہمسائیوں کو صفائی کی نصیحت کرنے کی یاد آجاتی ہے، پھر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ گھروں کے باہر پانی نہیں کھڑا ہونا چاہئے، ہمسایوں کے گھر کے سامنے پانی گاڑی یا موٹر سائیکل نہیں ڈھونی چاہئے، گائے بھینسوں اور جانوروں کو شہر سے دور منتقل کرنا چاہئے۔ کوڑا کرکٹ گلی محلے یا سڑک کی بجائے اس کی مخصوص جگہ تک پہنچانا چاہئے اور ہمیشہ کیلئے اپنے ''نصف ایمان'' پر مکمل عمل کر کے اپنی مذہبی ذمہ داری ادا کرنی چاہئے۔

اگر ہم مسلمان ہو کر بھی صفائی کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنائیں گے تو پھر باقی نصف ایمان کو کیسے بچا پائیں گے، کیونکہ یہ نصف ایمان ہی باقی نصف ایمان کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں راہ حق

پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مقالات و مضامین

"تجدید" اور "تجدد" میں بنیادی فرق

مولانا زاہد الراشدی
فاضل دیوبند، ایم اے، ایل ایل بی گوجرانوالہ

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ "تجدید" اور "تجدد" میں کیا فرق ہے اور "متجدد" کسے کہتے ہیں؟ بہت سے ذہنوں میں یہ سوال موجود ہے اس لیے آج کی صحبت میں اس کا تھوڑا سا جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تجدید اور مجدد کی اصطلاح تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی سے لی گئی ہے جس میں یہ پیش گوئی فرمائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔ جبکہ تجدید کا معنٰی علماء امت کے ہاں یہ معروف چلا آرہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوسائٹی اور افراد کے اعمال واقدار میں غیر محسوس طریقہ سے کچھ اضافے ہوتے چلے جاتے ہیں، جس طرح کھیت اور باغ میں کچھ خودرو پودے پیدا ہوتے رہتے ہیں جنہیں وقفہ وقفہ سے تلف کر کے چھانٹی کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح از خود اعمال وروایات کا حصہ بن جانے والی رسوم وبدعات کی نفی کر کے دین کی اصلی حیثیت اور ڈھانچے کو نکھارنے کا کام مجدد کے ذریعہ لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تکوینی طور پر اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ مجدد پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے باقاعدہ مبعوث کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک اور عالم بندے کو ایسی صلاحیت، فراست اور توفیق سے بہرہ ور کر دیتے ہیں جو یہ خدمت سرانجام دیتا ہے اور اس کی محنت اور جدوجہد سے اسے پہچان کر مجدد کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہر دور میں ایسی صفات وتوفیق کے حامل بزرگ موجود رہے ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو مجددین کا اولین سرخیل کہا جاتا ہے اور ان کے کاموں سے تجدید کی ماہیت وضرورت کو باآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمارے ہاں برصغیر میں اکبر بادشاہ کو جب مجدد اعظم اور مجتہد اعظم کا لقب دے کر اس سے دین کے پورے ڈھانچے کی "ری کنسٹرکشن" کی درخواست کی گئی تو اس کے ساتھ یہ تصور بھی شامل تھا کہ دین اسلام کی پرانی تعبیر وتشریح کو ایک ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے اس لیے اگلے

ہزار سال کے لیے نئی تعبیر و تشریح کے ساتھ دین کے نئے ڈھانچے کی تشکیل ضروری ہو گئی ہے جو اکبر بادشاہ نے "دین الٰہی" کے نام سے پیش کی۔ جبکہ اس مکر و فریب کے تار و پور کو بکھیرنے میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے مسلسل محنت کر کے فقہ و شریعت کی اصل روایت کو باقی رکھنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ اس پس منظر میں انہیں مجدد الف ثانیؒ کا خطاب دیا گیا کہ اگلے ہزار سال میں بھی اکبر بادشاہ کی پیش کردہ تعبیر و تشریح کی بجائے وہی پرانی اجماعی اور متوارث تعبیر و تشریح ہی چلے گی جس کی نمائندگی شیخ احمد سرہندیؒ کر رہے ہیں اور اب تک عملاً ایسا ہی ہو رہا ہے۔

مجدد کے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ دینی عبادات اور معاملات و روایات میں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جن رسوم و رواجات کا اضافہ ہو جاتا ہے ان کی کانٹ چھانٹ کر کے اصل عبادت و روایت کو پھر سے سامنے لے آئے۔ جبکہ دوسرا کام وہ یہ کرتا ہے کہ زمانہ کے ارتقاء اور تغیر کے باعث جو نئی ضروریات پیش آتی رہتی ہیں ان کا اجتہاد کے مسلمہ اصولوں کے دائرے میں شرعی حل پیش کر کے ماضی اور حال کا رشتہ جوڑ دے۔ گویا وہ مجدد اور مجتہد کے دونوں فریضے سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ امت میں اس درجہ کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد تاریخ میں مذکور ہیں جن سے قدرت نے یہ کام لیا ہے۔ وہ ہر دور میں موجود و متحرک رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

مجدد ماضی کے علمی ذخیرہ سے انحراف نہیں کرتا اور نہ ہی پہلے سے چلے آنے والے مسلمہ فقہی اصولوں سے بغاوت کرتا ہے۔ بلکہ وہ جدید رجحانات کو بھی ان کے دائرے میں واپس لے جانے کی محنت کرتا ہے اور ماضی کی علمی و فقہی روایت سے رشتہ توڑنے کی بجائے اس رشتہ اور تسلسل کو قائم رکھنا ہی اس کی تگ و دو کا سب سے بڑا ہدف ہوتا ہے۔ اب تک امت میں جن بزرگوں کو مجددین کی فہرست میں مسلمہ طور پر شامل سمجھا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی محنت کا فرداً فرداً جائزہ لیا جائے تو بھی سب کی محنت کا ایک ہی محور دکھائی دے گا کہ حال کو ماضی سے جوڑ کر رکھا جائے۔

"تجدید" کا معنٰی موجود چیز کو نئے اسلوب میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں معاہدہ کی تجدید کی گئی ہے یعنی معاہدہ پہلے سے موجود ہے، اس میں جزوی ردوبدل تو معاہدے کے مجموعی ماحول کو ملحوظ رکھتے ہوئے کر لیا جاتا ہے لیکن بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر بنیادی ڈھانچہ ہی بدل دیا جائے تو اسے معاہدہ کی تجدید سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ نیا معاہدہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح تجدید کا یہ عمل بھی ہے کہ ماضی کے مسلمہ علمی اور فقہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے دائرے

میں رہ کر مسائل واحکام کی زمانہ کی ضروریات کے تحت تعبیر و تشریح کی جاتی ہے۔ لیکن اگر ماضی کی مسلمہ علمی روایات اور متفقہ فقہی اصولوں سے انحراف کر کے اور ان کا لحاظ رکھے بغیر دین کے احکام و قوانین کی نئی تعبیر و تشریح کی جائے گی تو یہ ''تجدید'' نہیں ہو گی بلکہ ''تجدد'' کہلائے گی۔ چونکہ تجدد کے لفظی معنیٰ میں تکلف و تصنع پایا جاتا ہے اس لیے اس عمل کے لیے یہ لفظ زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے کہ اس کی حیثیت ''تکلف بے جا'' سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ تجدد کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس میں ماضی کی مسلمہ علمی روایت اور فقہی اصولوں کو نظر انداز کر کے نئے خود ساختہ اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور جس دور میں یہ کام کیا جارہا ہوتا ہے اس زمانے کے جمہور علماء کو اعتماد میں لیے بغیر بلکہ ان کی نفی و تحقیر کے ماحول میں اس عمل کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ تجدید میں مسلمہ فقہی اصولوں اور اپنے دور کے جمہور علماء کو اعتماد میں لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس اعتماد کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے یا کسی عمل کے صحیح ہونے پر اسے جمہور علماء کا اعتماد حاصل ہو جائے، نتیجے کے حوالہ سے دونوں صورتیں یکساں ہیں لیکن یہ کسی بھی دینی تعبیر کے قابل قبول ہونے کے لیے بہر حال ضروری ہے۔

ان دونوں کی عملی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اورنگزیب عالمگیرؒ نے اپنے دور میں مروجہ فقہ کے پورے ڈھانچے پر نظر ثانی کی تھی جس کے نتیجے میں ''فتاویٰ ہندیہ'' کا بے مثال علمی ذخیرہ سامنے آیا تھا اور وہ ملک کے دستور و قانون کے طور پر رائج بھی ہوا تھا۔ فقہ حنفی پر یہ مکمل نظر ثانی ماضی کے مسلمہ فقہی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے وقت کے جمہور علماء کو اعتماد میں لے کر کی گئی تھی اس لیے یہ ''تجدید'' تھی۔ جبکہ اسی اورنگزیب عالمگیر کے پردادا اکبر بادشاہ نے شرعی عقائد و احکام کی تشکیل نو مسلمہ علمی و فقہی اصولوں اور وقت کے جمہور علماء کرام کی نفی کر کے کی تھی بلکہ ماضی اور حال کے علماء و فقہاء کی تحقیر اور ان کے ساتھ استہزاء و طنز بھی اس عمل کا مربوط حصہ تھا اس لیے وہ ''تجدد'' تھا۔

تجدید اور تجدد کے فرق کو سمجھنے کے لیے اکبر بادشاہ اور اورنگزیب عالمگیرؒ کی ان کاوشوں کا تقابلی مطالعہ کر لینا کافی ہے۔ یہ پردادا اور پڑپوتا دونوں اپنے اپنے وقت کے عظیم حکمران تھے اور میرے خیال میں دونوں کی ''علمی روایات'' کا تسلسل اب تک جاری ہے بلکہ اب تو زیادہ ہی نمایاں ہوتا جارہا ہے۔ البتہ امت کا سواد اعظم چونکہ قرآن کریم، سنت رسولؐ، صحابہ کرامؓ، فقہائے عظامؒ اور اولیائے امتؒ کے ساتھ جذباتی اور فکری دونوں حوالوں سے بے لچک وابستگی رکھتا ہے اس لیے ماضی کی طرح اب بھی ''تجدد'' کے کسی عمل کا امت میں قبول عام حاصل کرنے کا سرے سے کوئی امکان نہیں ہے، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مقالات و مضامین

مذہب اور سائنس

مولانا لقمان احمد
ایضاح تبلیغ القرآن قسطی موسا کی یوسف آباد

سائنس اور مذہب کا جب بھی ایک ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے تو یہ تصور سامنے آتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف اور متضاد ہے۔ سب سے پہلے سائنس اور مذہب کے آپس میں جو تعلقات کے تصورات پائے جاتے ہیں اُن کا تذکرہ ضروری ہے۔

مذہب اور سائنس کے آپس میں تعلق کس حد تک ہے اور کس حد تک مذہب اور سائنس ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اس کے حوالے سے چار قسم کے نظریاتی طبقات ہمارے سامنے عموماً پائے جاتے ہیں۔

پہلا طبقہ: اس طبقہ کا خیال ہے کہ مذہب کو سائنس سے کبھی نہ جوڑا جائے اور سائنس اور مذہب میں تصادم (conflict) ہے۔ کئی سائنسی مفکرین کا یقین ہے کہ مذہب سائنس کے ساتھ کبھی مصالحت نہیں کر سکتا ان کے خیال میں اگر آپ سائنسدان ہو تو یہ تصور کرنا کہ آپ ایک سچے مذہبی بھی بن سکتے ہیں، یہ محال ہے۔ ان کی مثال سترھویں صدی سے میں ملتا ہیں جیسا گلیلیو (Galiloe) کو ایذا رسانی اور انیسویں صدی میں ڈارون (Darvin) کہ نظریہ ارتقاء کہ حوالے سے دینی طبقے میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔

دوسرا طبقہ: یہ وہ لوگ ہے جو تقابل (contrast) کے قائل ہیں اس فکر کے حامل سائنسدان اور علماء سائنس اور مذہب میں ایسا کوئی اختلاف نہیں دیکھتے ان کے نزدیک دونوں کا الگ الگ راستہ واضح طور پر متعین شدہ اور اپنے اپنے دائرہ کار میں سرگرم عمل ہیں، اور دونوں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں۔

تیسرا طبقہ: اس طریقے کے لوگ اتصال (contact) کے حامل ہے، یہ طریقہ کار سائنس اور مذہب کے مابین مکالمہ، تقابل اور ممکنہ ہم آہنگی تلاش کرتا ہے۔ خصوصاً ان طریقوں میں جن کے ذریعے سائنس مذہبی و دینی فہم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یعنی اُن حالات میں مذہب اور سائنس کے درمیان اتصال قائم کیا جائے جہاں تک ممکن ہو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوگا کہ مذہب کو سائنس کے تابع کیا گیا بلکہ جہاں تک

ممکن ہو ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔اس کے نتیجے میں منافرت کی فضاء ختم ہو سکتی ہے۔

چوتھا طبقہ: یہ طبقہ اہل توثیق (confirmation) کا ہے۔ اس طبقے کا خیال ہے کہ بہت سے ایسے سائنسی نظریات ہیں جو کہ مذہب کے مخالفت نہیں کرتے تو ایسے نظریات کی توثیق اہل مذہب کریں اور بہت سے ایسے مذہبی افکار ہیں جن کی توثیق سائنس کرتی ہیں۔ تو کیوں نہ دونوں کو ایک دوسرے کی توثیق و تائید کے لیے پیش نہ کریں تاکہ دونوں کے باہمی تعلقات ثمرہ آور ثابت ہو۔

سائنس اور مذہب کے باہمی تعلقات کا پس منظر:

سائنس اور مذہب کا یہ ٹکراؤ اٹھارویں اور انیسویں صدی کی پیداوار ہے، اور یہی وہ دور ہے، جب جدید سائنس کا ظہور ہوا اور دنیا نے اس علم کو ایک مکتب فکر کے طور پر پہچانا۔ سائنسی دریافتوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے بڑی کشش تھی، پھر اس کا دار مدار مکمل طور پر مشاہدے اور تجربے پر تھا۔ یہ چیزیں انسانی شعور اور عقل کو براہ راست متاثر کرتی ہیں اور انسان ظاہر میں نظر آنے والی چیزوں کا اثر زیادہ تیزی اور شدت کے ساتھ قبول کرتا ہے. پھر ایک اور بات بھی ہے عربی محاورے'' کل جدید لذیذ '' کے مطابق ہر نئی چیز لذیز ہوتی ہے۔ سائنس مذہب کے مقابلے میں نئی چیز تھی، ان اسباب عوامل کی بنا پر لوگوں کا اس کے اثرات تیزی سے قبول کرنا ایک فطری عمل تھا، مگر خرابی یہاں سے شروع ہوئی کہ سائنسی دریافتوں سے جو ماحول بنا، اس میں لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب خدا کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اور مذہب ایک فرسودہ روایت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک خدا کو ماننا اس لیے ضروری تھا کہ اس کو مانے بغیر کائنات کی کوئی توجیہہ نہیں کی جاسکتی تھی، اب جدید سائنس نے یہ عقدہ حل کر دیا ہے۔ اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ کائنات اور اس میں واقع ہونے والا ہر امر ایک سبب کی وجہ سے ہے، اور وہ سبب معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہمیں بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ قانون فطری (law of nature) کے لگے بندھے اُصولوں کے تحت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ سائنس اور مذہب کی تضاد کے بات جب بھی آتی ہے تو آج کل یوں لگتا ہے کہ اسلام اور سائنس کی بات چل رہی ہیں لیکن ایسا ہر گز نہیں، کیونکہ جب سائنس اور مذہب کی چپقلش رونما ہوئی تو اُس وقت عیسائیت اور اور اہل کلیسا کا دور تھا اور سب سے پہلے سائنس کا

عیسائیت سے سامنا ہوا۔ دراصل اس وقت حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں، جو الہیات پر مبنی تھیں، وقت کے ساتھ ساتھ تغیر اور تحریف نے جگہ پکڑلی اور یونانی فلسفے نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا، اور رفتہ رفتہ فلسفیانہ مباحث مذہب کا جز بن کر تقدس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ فلسفہ بہت سے زمینی حقائق اور معروضی حالت کے خلاف تھا، اور اس میں خیالی اور تصوراتی مفروضوں کی کثرت تھی۔ جب سائنس کی مشاہدے اور تجربات پر مشتمل دریافتیں اور انکشافات سامنے آنا شروع ہوئے تو مذہب کا حصہ بن جانے والے یہ مفروضے کمزور ہونے لگے، جس سے اہل مذہب (کلیسا) نے اپنے وجود کو خطرہ میں سمجھا، اور یوں اہل سائنس اور اہل مذہب کے مابین ایک کشمکش کا آغاز ہو گیا، جس کے نتیجے میں پوپ کے خاص حکم کے تحت احتساب عدالت قائم ہوئی، جس میں تقریباً تین لاکھ افراد کو حاضری دینی پڑی۔ ان کو سخت سزائیں دی گئیں، اور تقریباً ۳۰ ہزار افراد کو زندہ جلادیا گیا۔ ان سزایافتگان میں گلیلیو اور برونو جیسے افراد بھی شامل تھے، یہ مذہب اور سائنس کی علیحدگی اور ان کے مابین چپقلش کا نقطہ عروج تھا، اور یہیں سے وہ جنگ شروع ہوئی، جو بالآخر سائنس اور مذہب کی جنگ بن گئی۔ جن باتوں نے مذہب (عیسائیت) اور سائنس کے مابین ان سنگین اختلافات کو جنم دیا ان میں سے بات کو سمجھنے کے لیے صرف ایک مثال پیش کرتا چلوں۔ ارسطو نے مرکزیت زمین کا نقطہ نظر پیش کیا تھا، یہ خالصتاً یونانی فکر تھی جس کا حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر چونکہ یہ نظریہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسیحی مذہب کا حصہ بن چکا تھا، اس لیے جب کوپرنیکس (۱۴۷۴ء تا ۱۵۴۳ء) نے مرکزیت آفتاب کا تصور پیش کیا تو عیسائی پیشواؤں کے ہاں کھلبلی سی مچ گئی، اور انہوں نے کوپرنیکس کی زبان بندی کر دی کیونکہ یورپ میں اس وقت مسیحی پیشواؤں کو اقتدار حاصل تھا، جس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ اگر اُس وقت عیسائی مذہب کے پیشوا کوپرنیکس کی تائید کرتے تو اُن کے مذہب کا تصور ناقص رہتا۔ اس جنگ اور محاذ آرائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں یہ خیال عام ہو گیا کہ مشاہداتی علم (سائنس) اور مذہب دونوں ایک دوسرے کی ضد ہے اور ایک کی ترقی دوسرے کے لیے موت کا درجہ رکھتی ہے، حالانکہ یہ خیال واضح طور پر سراسر غلط تھا، اور اسلام کے نقطہ نظر کے صریح خلاف ہے۔ مگر ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سائنس لوگوں کو خدا اور مذہب سے دور کرنے والا بن گیا۔ سائنس اور مذہب کا یورپ میں ہونے والا یہ تصادم کوئی دو صدی تک جاری رہا، حتیٰ کہ ۱۸۵۹ء میں ڈارون نے اپنی

کتاب origin of species شائع کی۔ چرچ کی جانب سے اس کی بھرپور مخالفت کی گئی، مگر اب چرچ کی طاقت کمزور پڑ چکی تھی، اس لیے رفتہ رفتہ صلح کے امکانات پیدا ہونے لگے، اور آخر کار دونوں کے درمیان سمجھوتہ ہوا، جو دراصل سیکولرازم (secularism) کی صورت میں تھا اب مذہب اور سائنس کے درمیان حدود کار متعین کر دی گئیں اور دونوں کے دائرہ کار الگ الگ ہو گئے۔

یوں کلیسا اور اہل سائنس کے مابین جاری جنگ کا خاتمہ ہو گیا، درحقیقت مذہب اور سائنس دونوں نے وہ راستہ اختیار کیا، جو فطرت کے سراسر خلاف تھا، اس لیے رفتہ رفتہ حالات درست ہونے کی بجائے اس حد تک چلے گئے کہ تصور خدا کی بنیاد ہلا دی۔ لیکن یہ ایک غیر فطری رویہ تھا، نتیجتاً خدا پھر بھی موجود رہا، اور مذہب پھر بھی باقی رہا۔ اس کی مثال یہ ہو گی کہ کمرے میں اپنے آپ کو بند کر کے اور روشنی کی گزرگاہوں کو ختم کر کے دن کے وقت میں انسان اپنے آپ کو رات ہو جانے کا تو غلط اطمینان دلا سکتا ہے، مگر سورج کی موجودگی کو ختم نہیں کر سکتا۔ یہ تھا سائنس اور مذہب کے اختلافات کا اصل پس منظر، اور جب ہم سائنس، مذہب تعلقات کی بات کرتے ہیں، تو اس پس منظر کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اسلام اور سائنس کے بارے میں بھی یہ تصور شاید حاشیہ خیال سے گزرا ہو کہ کیا اسلام بھی سائنس کے خلاف ہے؟

جی نہیں! بلکہ اسلام میں ایک عالمگیریت ہے اور اُس عالمگیریت کی وجہ سے اسلام سائنس کے خلاف نہیں ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسلام کو سائنس کے تابع نہ کیا جائے اور اگر سائنس اسلامی نظریات و تعلیمات میں دخل اندازی کرے تو یہ بجا نہ ہو گا اسلام اس کی روک تھام ضرور کرے گا۔ اور اسلام اور سائنس کے حوالے سے اگر یوں کہا جائے تو درست ہو گا کہ دین اسلام ہماری بنیادی ضرورت ہے اور سائنس ہماری معاشرتی ضرورت ہے دونوں کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل نہ لایا جائے بلکہ ایک دوسرے کے لیے مدد و معاون ثابت ہوں۔

چراغ بجھ گیا۔

حضرت مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ علیہ فرماتے تھے "ایک نوجوان کہتا تھا کہ میرا دل چراغ کی طرح روشن تھا ایک دن تالاب سے گزرا تو نامحرم عورت پر نظر پڑی تو یہ چراغ بجھ گیا پھر بہت کوشش کی مگر نہیں جلا"

اخبار واحوال

جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں

مولانا عابدعلی

جامعہ تبلیغ القرآن

19 واں دورہ تفسیر القرآن افتتاح:

- 7 مئی 2017ء کو حضرت مفتی محمد ایاز صاحب کے زیر تدریس 19ویں دورۂ تفسیر القرآن کا افتتاح ہوا جس میں کثیر تعداد میں خواتین وحضرات نے شرکت کی۔ افتتاحی بیان ''شیخ القرآن والحدیث مولانا غلام حبیب صاحب'' نے کیا۔ جبکہ 8 مئی صبح 7:00 بجے سے دن 12:00 بجے تک یہ درس جاری رہا ہے۔

اصلاحی بیان:

- 11 مئی 2017ء بروز جمعرات بعد نماز عصر ''پندرہ روزہ اصلاحی بیان'' کے سلسلہ میں حافظ احتشام الحق صاحب نے ''رمضان کی اہمیت'' کے عنوان پر خواتین کو بنات مدرسہ میں بیان کیا جس میں کثیر تعداد میں طالبات وخواتین نے شرکت کی۔

امتحانات فاضلہ دینیات:

- 13 مئی 2017ء کو فاضلہ دینیات کا امتحان لیا گیا۔
- 20 مئی ایچ آر کے زیر نگرانی کانفرنس ہال میں سیمنار ہوا جس میں جناب عبداللہ صاحب (سابقہ چیف سیکرٹیری kpk، ممبر اسلامی نظریاتی کونسل نے اہم اراکین کی فکری تربیت کی۔
- 31 مئی کو شعبہ ایچ آر کا دفتر کانفرنس ہال سے ملحقہ دفتر میں منتقل ہوا۔

اعتکاف:

- 20 رمضان المبارک سے جامعہ میں امسال بھی اہلیان علاقہ کے نوجوانوں ومشران کی عملی، اصلاحی و فکری تربیت کے لیے اعتکاف کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں تقریباً 40 تک افراد نے شرکت کی۔

تراویح میں ختم قرآن:

- رمضان کے آخری عشرے میں شرکاء اعتکاف کے لیے تراویح میں ختم قرآن کا بھی اہتمام کیا گیا۔ قاری

احتشام الحق صاحب نے تراویح میں ختم قرآن کے فرائض سرانجام دیے جبکہ اختتام کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے بیان اور اختتامی دعا فرمائی۔

مختلف سرگرمیاں

- 6 مئی بروز ہفتہ حضرت مفتی صاحب، حافظ احتشام الحق، مولانا عبد الباری اور مولانا عابد علی شیخ میر سمیع الحق افغانی صاحب حفظہ اللہ کی ملاقات کے لیے سربند مدرسہ گئے اور حضرت شیخ کی تیمارداری کی۔ واپسی پر مفتی عبد الرحمن صاحب کے مسجد و مدرسہ دیکھنے بھی گئے۔
- 7 مئی بروز جمعہ نماز جمعہ کے بعد حضرت مفتی صاحب، ڈاکٹر حشمت علی صافی، حافظ احتشام الحق اور جناب سلمان صافی شیخ محمد طیب طاہری صاحب کی ملاقات کے لیے پنج پیر گئے۔
- 20 مئی بروز ہفتہ بعد مغرب مولانا مجاہد خان کے مدرسہ تعلیم القرآن افغان کالونی میں دستار بندی کے پروگرام میں حضرت مفتی صاحب، مولانا اسماعیل صاحب (حیات آباد) اور دیگر سیاسی و مذہبی شخصیات نے شرکت کی۔
- 21 مئی حضرت مفتی صاحب حاجی شیر محمد کے گھر مولانا عابد علی کے درس قرآن کی سالانہ اختتامی تقریب کے موقع پر مفتی صاحب نے اصلاحی بیان فرمایا۔
- 21 مئی عشاء کے بعد ڈاکٹر ممتاز صاحب کے گھر ماہانہ درس قرآن کے لیے مفتی صاحب، امیر صاحب گئے۔
- 21 مئی بروز اتوار عبد الوھاب بھائی کے نکاح پڑھانے مفتی صاحب، امیر صاحب اور سلمان گئے۔
- 26 مئی بروز جمعہ بعد عصر مفتی صاحب کے فرزند معاویہ حسن اور امیر اعلیٰ صاحب کے صاحبزادیوں سعدیہ اور ہادیہ کے قرآن پاک کا ناظرہ ختم ہوا، اور مفتی صاحب نے اختتامی دعا کیا۔
- اسی دن بعد عشاء حاجی شیر محمد صاحب کے حجرہ میں تراویح ختم القرآن میں مفتی صاحب نے بیان کیا۔

جامعہ مہمان آمد:

- 21 مئی بروز اتوار بعد عصر مولانا عبد الکریم (حیات آباد) اور دیگر علماء جامعہ آئے تھے اور مفتی صاحب سے ملاقات کی۔

- 22 مئی بروز پیر بعد مغرب حاجی عنایت سعودی والے حضرت مفتی صاحب اور امیر صاحب کے ملاقات کے لیے آئے تھے۔

سعیدآباد ختم:

- 15 جون سعید آباد مدنی مسجد (ملک ارشد) میں تراویح ختم قرآن کے اختتام پر مفتی ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر حضرت مفتی صاحب نے شرکت کرکے بیان کیا۔

دورہ تفسیر القرآن اختتام:

- 7 مئی سے جاری دورہ تفسیر 19 جون تک 45 دن میں مکمل ہوا۔ جس میں تقریباً 400 تک خواتین وحضرات، مدارس دینیہ کے علماء وطلباء اور کالج ویونیورسٹی کے سٹوڈنس شریک ہوئے۔ آخری سورتوں کا درس اور اختتامی دعا حضرت مفتی صاحب نے کیا، ختم اور دعا میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔

تنظیمی سرگرمیاں

شب مذاکرہ:

- 25 مارچ 2017ء بروز ہفتہ تنظیم کی طرف سے اداروں اور ذیلی شعبہ جات کے اہم اراکین و عہدیداران پر مشتمل مجلس منتظمہ کی اخلاقی، فکری اور دینی اصلاح کے لیے شب مذاکرہ کی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں تمام ذمہ داران نے شرکت کی اور شب مذاکرہ کے معمولات میں بھرپور حصہ لیا۔
- 4 مئی بروز جمعرات کانفرنس ہال میں شب مذاکرہ کا انعقاد ہوا جس میں شرکاء کو تحریک و مقننہ کے بارہ میں بریفنگ دی گئی۔

یک روزہ اصلاحی و تربیتی نشست:

- 4 جون 2017ء بروز اتوار مجلس منتظمہ کے عہدیداران واراکین کی اخلاقی وروحانی تربیت کے لیے ماہ رمضان یک روزہ تربیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں مفتی صاحب نے روحانی پہلو پر تفصیلی بیان کیا۔ اس نشست کے آخر میں شرکاء مجلس کے لیے افطاری کا بھی اہتمام کیا گیا۔

افطاری پروگرام:

- جامعہ کے اراکین کے باہمی ربط و تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے جامعہ کے ملحقہ یونٹس میں انفرادی طور پر مختلف اوقات میں افطاری کے پروگرامات منعقد کیے گئے جس میں ہر یونٹ کے ارکان نے بھر پور شرکت کی۔

درسِ نظامی

نقشہ اسباق:

- جون میں درس نظامی کے نئے تعلیمی سال کے لیے نقشۂ اسباق کی تیاری و چھپائی کی گئی۔

مدرسین تقرری:

- نئے تعلیمی سال کے لیے تین نئے اساتذہ کی تقرری کی گئی۔ دو مدرسین کتب پڑھائی اور ایک حفظ پڑھائی کے لیے مقرر کیے گئے۔
- درس نظامی اسباق میں درجہ سادسہ کا آغاز نئے تعلیمی سال سے ہو گا۔
- نئے تعلیمی سال کے لیے سالانہ معمولات و کلینڈر کی تیاری کی گئی۔

تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی

مکاتب میٹنگ:

- 4 مئی کو تمام مکاتب بنات کے ذمہ داران سے مدارس کے انتظامی اور تعلیمی امور پر میٹنگ ہوئی جس میں مدارس کے مسائل کی نشاندہی کی گئی اور حل کرنے کے تجاویز دیے گئے۔

تربیتی ورکشاپ:

- 13 مئی کو سوسائٹی کے طرف سے مدرسہ دار ارقم حسین ٹاؤن میں طلبہ کے لیے تربیتی و اصلاحی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں سوسائٹی کے نگران اعلیٰ مولانا لقمان احمد نے طلباء کی کردار سازی اور تربیتی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے طلبہ سے گفتگو کی۔

شعبہ اطفال

- شعبہ اطفال کے حفظ کلاس کی طلباء نے تراویح میں قرآن کریم کا ختم کیا۔ اس سلسلے میں ایک تقریب کا انعقاد ہوا جس میں کافی طلبہ نے حصہ لیا۔ آخر میں مفتی صاحب نے دعا فرمائی۔

خادم ویلفئیر سوسائٹی (KWS)

خادم فرسٹ ایڈ ٹریننگ برائے خواتین:

- 2،3 مئی 2017 خادم ویلفیئر سوسائٹی اور ریسکیو 1122 کے باہمی اشتراک سے خواتین کے لیے فرسٹ ایڈ ٹریننگ کا انعقاد کیا گیا جس میں خادم خواتین ٹیم، العلم اکیڈیمیا سکول اور خادم ووکیشنل سنٹر کی خواتین نے بھرپور شرکت کی۔

رمضان فوڈ پیکج:

- 24 مئی 2017ء کو خادم ویلفیئر سوسائٹی کی طرف سے حسب سابق خادم رمضان فوڈ پیکج کا انعقاد کیا گیا جس میں 650 مستحقین خاندانوں میں راشن تقسیم کیا گیا۔ پیکج 12 اشیاء پر مشتمل تھا۔

خادم ووکیشنل سنٹر، تقسیم اسناد پروگرام:

- مئی 2017ء میں SDC(Skill Developmen Council) کی طرف سے خادم ووکیشنل سنٹر کی 15 کامیاب طالبات کو ٹیلرنگ کورس مکمل کرنے پر اسناد دیے گئے۔

العلم اکیڈیمیا جونیئر سکول

- یکم مئی کو گزشتہ سال بہترین کارکردگی دکھانے پر سٹاف میں شیلڈ اور سرٹیفکیٹ تقسیم کیے گئے۔
- 2 مئی سے اساتذہ کے لیے دورزہ ٹریننگ (DisasterManagement) کے حوالے سے منعقد کی گئی تاکہ ہنگامی حالات میں اساتذہ اپنی بہترین صلاحتیوں کا مظاہرہ کر سکیں۔
- 6 مئی کو بچوں کی ہم نصابی سرگرمی کے حوالے سے بزم ادب منعقد کیا گیا۔
- 26 مئی 2017ء سے طلباء کو گرمی اور رمضان المبارک کی آمد کے پیش نظر چھٹیاں دیے گئے۔
- گرمی کی چھٹیوں کو مفید بنانے کے لیے خصوصی (Summar Took) بنایا گیا تاکہ بچوں کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو بلکہ وہ والدین / سرپرستوں کی نگرانی میں علم کا سفر جاری رکھ سکیں۔

- 31 مئی 2017ء کو سٹاف میٹنگ کی گئی جس میں سکول کے جملہ امور کا احاطہ کیا گیا، طلباء مسائل سے لے کر اساتذہ کے مسائل تک پر بات چیت کی گئی اور مشاورت کے بعد کئی اہم فیصلے کیے گئے جس میں Syllabuss، Mothly Breakup، ستمبر ٹیسٹ، مڈٹرم امتحان وغیرہ شامل تھے۔
- اساتذہ کے تدریسی طریقہ کار کو مزید بہتر بنانے کے لیے (TeachersTraining) کو جدید شکل دی گئی۔

جون 2017ء:

- سکول کے جملہ امور کو بہتر بنانے کے لیے جون میں ایڈمنسٹریشن سائڈ کا Audit آڈٹ تھرڈ پارٹی سے کروایا گیا جس میں طلباء سے متعلق جملہ ریکارڈز، BISEP کی ضروریات کے مطابق ریکارڈ، SIS میں ریکارڈ اندراج کی جانچ کی گئی۔
- مستقبل میں بہتر کارکردگی کے لیے (Acadamic &Adminstration Audit) کے حوالے سے باقاعدہ ماڈیول کی منصوبہ بندی کی گئی اور یہ ٹاسک (Acadmic & Research) کے حوالے سے کیا گیا۔
- مڈٹرم کے سلیبس اور امتحانات، پرچہ تیاری کے حوالے سے اساتذہ کو کام تفویض کیا گیا تاکہ ستمبر، اکتوبر میں سکول کے معمولات میں ترتیب برقرار رہے۔